إِنْ أُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

اکتوبر ۲۰۱۳ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ البرہان لاہور

جلد ۱۷، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۱۳ء/ ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ

مشمولات

○فکر و نظر

دوچہرگی (ذوالوجہین) — مدیر — ۴

○شذرات

پاکستان کوتباہی سے بچایئے — مدیر — ۵

دینی مسالک کے بزرگ علماء توجہ فرمائیں — ۶

○اتحاد بین العلماء

'احیائے دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ' — سید ابوالاعلیٰ مودودی — ۸

مولانا مودودیؒ کا تبلیغی جماعت کو خراج تحسین

○اتحاد امت

وقت کی اہم پکار۔اتحاد بین المسلمین — ابوانیس برکت علی — ۱۸

○مقالۂ خصوصی/تعلیم و تربیت

جدید دینی تحریکوں کا تعلیم سے تغافل۔اسباب و اصلاحی تجاویز — ڈاکٹر محمد امین — ۲۰

پروفیسر حضرات کے نام _ ایک اہم پیغام — پروفیسر مقصود احمد — ۳۲

○میڈیا

امریکی میڈیا _ اسلام دشمن — امان سلیمان — ۳۶

پاکستانی میڈیا۔اسلامی اقدار کا دشمن — مدیر — ۳۸

○تذکرۂ اسلاف

باتیں بزرگوں کی — محمد حسین شمیم — ۳۹

جامعہ پنجاب کے مولوی محمد شفیعؒ اور مولوی ظفر اقبالؒ کی چند یادیں

○ملی مجلس شرعی

اہم فقہی مسائل پر متفقہ قرار دادیں — ملی مجلس شرعی — ۴۵

○تفہیم مغرب

سیکولر ازم کیا ہے؟ — ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری — ۴۸

○تبصرۂ کتب

دینی جرائد پر مختصر تبصرہ و تعارف — ڈاکٹر محمد امین — ۵۴

دوچہرگی (ذوالوجہین)

فرد کی زندگی سے لے کر قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر جس تباہ کن اخلاقی مرض نے غلبہ پالیا ہے وہ ہے دوچہرگی یا ذوالوجہین ہونا یعنی ایک ہی معاملے میں ایک کے سامنے ایک موقف اور دوسرے کے سامنے دوسرا موقف۔ ہمارے ایک جاننے والے ہیں جو دو شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی دو بیویاں ہیں۔ ان کے درمیان کشمکش سے تنگ آ کر انہوں نے دوچہرگی کا رویہ اپنا لیا ہے۔ جس بیوی کے پاس جاتے ہیں اس کی تعریف کرتے ہیں اور دوسری کی تنقیص۔ والدین کے پاس جاتے ہیں تو چہیتی بیوی کے حاوی ہونے کا رونا روتے ہیں اور جب اس کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا کروں، آخر والدین ہیں، انہیں بالکل چھوڑ تو نہیں سکتا۔

بالکل یہی حال ہماری حکومت کا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ کراچی، بلوچستان اور فاٹا میں ہونے والی دہشت گردی کے پیچھے بھارت اور امریکہ کا ہاتھ ہے لیکن انہیں یہ بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتی لہٰذا اس کا رسمی موقف یہ ہے کہ وہ امریکہ و بھارت سے خوشگوار اور دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتی ہے۔ یہ دوچہرگی اور منافقت ہے جسے آج کل ڈپلومیسی کا نام دیا جاتا ہے اور اسے مجبوری اور عقل مندی کا لازمی جزو اور ناگزیر تقاضا سمجھا جاتا ہے۔

عالمی سطح پر یہی حال امریکہ اور اقوام متحدہ کا ہے۔ امریکہ اپنے عوام کے سامنے جمہوری روایات اور بنیادی حقوق کی بات کرتا ہے اور مخالفوں کو گوانتانا موبے جیسی جیلوں میں تعذیب دیتا ہے اور اسے انسانی حقوق بھول جاتے ہیں۔ امریکہ و یورپ میں ایک کتا زخمی ہو جائے تو واویلا مچ جاتا ہے لیکن افغانستان و عراق میں لاکھوں لوگ بے رحمی سے قتل کر دیئے جائیں بموں سے ان کے پرخچے اڑا دیئے جائیں تو اس پر کوئی چوں بھی نہیں کرتا بلکہ مغرب بدستور دنیا کو اعلیٰ ترین تہذیبی و انسانی اقدار کا محافظ اور علم بردار باور کرانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ قرآن وسنت اس دوچہرگی کی مذمت کرتے ہیں اور اسے اخلاقی جرم قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ ایک طرح کی منافقت ہے لیکن آج کا انسان اس اخلاقی مرض میں سرتاپا مبتلا ہے لیکن اسے اخلاقی جرم سمجھنے کی بجائے ہوشیاری، ڈپلومیسی اور حکمت عملی قرار دیتا ہے۔

شذرات

پاکستان کو تباہی سے بچایئے

جوں ہی حکومت پاکستان نے طالبان سے مذاکرات کا اعلان کیا بعض جنگجو گروپوں نے شدید دہشت گردانہ حملے کر کے اور امریکہ نے ڈرون حملے جاری رکھ کر انہیں سبوتاژ کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی طالبان کے تصور اسلام سے ہراساں اور امریکی و بھارتی لابی سے متاثر عناصر خصوصاً میڈیا کے افراد نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ان ظالم دہشت گردوں سے مذاکرات کیوں کیے جائیں جو عورتوں، بچوں اور بے گناہوں کو بیدردی سے قتل کر رہے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے عین انہی دنوں جب وزیر اعظم امریکہ اور اقوام متحدہ میں تھے چرچ پر حملہ کر کے پاکستان کی پوزیشن انتہائی کمزور کر دی اور اسے دفاعی اور الزامی پوزیشن میں لا کھڑا کیا۔

ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ تحمل و برداشت کے ساتھ جرأت اور حکمت عملی سے کام لے اور امریکی و بھارتی لابی کو ناکام بنا کر طالبان یعنی ان عناصر سے جو امریکہ مخالف ہیں اور پاکستان میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں صلح کر کے انہیں قومی دھارے میں لے آئے۔ اسی طرح بلوچستان میں جو عناصر سیاسی مطالبے رکھتے ہیں ان سے بھی مصالحت کر لی جائے۔ ان لوگوں سے مصالحت کے لیے ظاہر ہے حکومت کو کچھ جھکنا پڑے گا اور مخالفین کے کچھ ایسے مطالبے ماننا پڑیں گے جو اسے پسند نہ ہوں لیکن پاکستان کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ یہ مطالبات 'جس حد تک ممکن ہو، مان لیے جائیں کیونکہ دشمنوں کی تو خواہش ہی یہی ہے کہ یہ دہشت گردی جاری رہے۔ پاک فوج شمال مغربی سرحد پر مصروف رہے اور اپنے ہی آدمیوں سے لڑتی رہے تاکہ پاکستانی ریاست اور معاشرہ اس جنگ سے کمزور اور دیمک زدہ ہو جائے اور اسے توڑنا آسان ہو جائے۔ اس کے بعد ان عناصر کو جو امریکی بھارتی لابی کی شہ پر دہشت گردی یا مبینہ طور پر ایران عرب کشمکش کے نتیجے میں پاکستان میں فرقہ وارانہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں؛ اور وہ قانون شکن مافیا جو اغواء برائے تاوان اور بھتہ خوری وغیرہ میں ملوث ہے۔ ان سب کو پاک فوج طاقت سے کچل دے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی بقاء کا مسئلہ ہے لہٰذا حکومت پاکستان کو بردباری مستقل مزاجی اور حکمت سے اس معاملے سے نمٹنا چاہیے کیونکہ جس طرح بھارتی امریکی لابی پہلے اس میں کامیاب رہی ہے کہ اس نے ہمارے ہاں بڑے ڈیم نہیں بننے دیے اور قوم آج لوڈ شیڈنگ کے عذاب میں مبتلا ہے، اسی طرح اب بھارتی امریکی لابی کی بھرپور کوشش ہے کہ طالبان سے صلح نہ ہو اور فاٹا، بلوچستان اور کراچی میں امن قائم نہ ہو تاکہ پاکستان میں فوج اپنے ہی آدمیوں سے لڑتی رہے، بیرونی مداخلت جاری رہے اور پاکستان کمزور ہو کر خاکم بدہن ٹوٹ جائے لہٰذا اس معاملے کو ہلکا نہ لیا جائے، یہ

پاکستان کی بقاء کا مسئلہ ہے اور پاکستان کو تباہی سے بچانے کا معاملہ ہے۔

شذرات

دینی مسالک کے بزرگ علماء توجہ فرمائیں

ہر مسلک کے اندر افتراق کی فضا ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے

دین اسلام ایک وحدت ہے اور وہ اپنے پیروکاروں کو محبت واخوت اور اتحاد کا درس دیتا ہے لہٰذا اس کی تشریح کرتے ہوئے اور علمی وفروعی اختلافات میں مسلمانوں کا انتشار وافتراق میں مبتلا ہوجانا صحیح نہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمارے ہاں فقہی اور کلامی اختلافات کی بنیاد پر مسلمانوں کا پہلے اہل سنت اور اہل تشیع میں اور پھر اہل سنت کا مقلد اور غیر مقلد میں اور اہل تقلید کا چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں بٹ جانا، اب صدیوں پرانی ایک ایسی مستحکم روایت اور حقیقت ہے جس کا نہ انکار کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ختم کرنا ممکن ہے لہٰذا اب یہی سوچا جاسکتا ہے کہ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اتحاد کی طرف بڑھا جائے۔

پانچ سال پہلے جب ہم نے ہر مسلک کے معتدل اور ثقہ علماء کرام کے ساتھ مل کر 'ملی مجلس شرعی' بنائی تھی تو اندازہ یہ تھا کہ ہمیں اتحاد بین العلماء کے لیے کام کرتے ہوئے مسالک کے مابین اختلافات کی شدت کو کم کرنا ہے اور ان سے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلک دین نہیں ہوتا لہٰذا مکاتبِ فکر کے درمیان علمی اختلاف رائے کو برداشت کرنا چاہیے اور اسے مدارِ حق و باطل نہیں سمجھنا چاہیے لیکن یہ کام کرتے ہوئے اب اندازہ ہوا ہے کہ مسالک کے درمیان محبت کی فضا قائم کرنے میں جو ایک بڑی رکاوٹ ہے وہ ہر مسلک کے اندر افتراق وتشتت کی فضا ہے۔ ہر مسلک کے اندر کئی جماعتیں ہیں اور ہر جماعت کے اندر کئی دھڑے ہیں۔ ہر مسلک میں جتنے لیڈر ہیں اتنی ہی جماعتیں ہیں اور یہ زعماء کرام ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ دوسرے مسالک والوں سے تو مل سکتے ہیں، دوسرے ادیان والوں سے بھی ڈائیلاگ کرسکتے ہیں لیکن ان کے اپنے درمیان اتنے شدید اختلافات ہیں کہ انہیں سمیٹنا کارے دارد ہے۔اور ان اختلافات کے پیچھے اکثر وبیشتر علمی واصولی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ذاتی اختلافات اور مفادات ہوتے ہیں۔ ہر لیڈر یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے بڑا لیڈر ہے لہٰذا اسے سب سے بڑا لیڈر تسلیم کیا جانا چاہیے اور پھر لیڈری کے لیے مال بھی چاہیے، اس کا بھی 'کسی نہ کسی طرح' انتظام کیا جاتا ہے اور بسا اوقات ان کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں ہوتی ہیں جو مال بھی دیتی ہیں اور دوسری سہولتیں بھی۔ اور ان مقامی

ایجنسیوں کی ڈور ہلانے والی اسلام دشمن امریکی ویورپی خفیہ ایجنسیاں ہوتی ہیں اور دوررس مقصد یہ ہوتا ہے کہ علماء متحد نہ ہوں اور دینی قوتیں باہم لڑتی رہیں اور کمزور رہیں تاکہ سیکولر جماعتیں پاکستان میں انتخابات جیت کر حکومت بنائیں اور یورپ وامریکہ کی دریوزہ گری کریں اور ملک میں اسلامی شریعت کی بجائے مغربی فکر وتہذیب کا غلبہ رہے۔ یہ کام پچھلے ٦٦ سال سے ہورہا ہے اور آج بھی ہورہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس کا کوئی حل بھی ہے؟

ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ ہر مسلک اور ہر مکتب فکر میں ایسے معتدل مزاج، جہاندیدہ اور بزرگ علماء کرام موجود ہیں جن کی سب عزت کرتے ہیں اور وہ دھڑے بندی سے ماورا ہوتے ہیں۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ ہر مسلک میں اس طرح کے بزرگ علماء کرام پر مشتمل ایک 'رہبر کمیٹی' بنا دی جائے اور بتدریج ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ سب لوگ ان کے فیصلوں کی عزت کریں اور انہیں مانیں۔ یہ 'رہبر کمیٹی' اپنے مسلک کے دینی گروپوں، سیاسی جماعتوں اور دھڑوں میں اختلافات ختم کرائے، ان میں صلح کرائے اور ان میں اتحاد پیدا کرے۔ یہ کمیٹی علماء کی اخلاقی تربیت کرے تاکہ حب جاہ و مال اور حب دنیا کے جراثیم پنپنے نہ پائیں اور ان کی علمی تربیت بھی کریں تاکہ انہیں علمی اختلاف برداشت کرنے کی عادت پڑے اور ہر اختلاف کو فسق وکفر تک نہ پہنچا دیا جائے نیز ہیجان اور جذباتی فضا پیدا کرنے والے اختلافی لٹریچر کی اشاعت اور مناظرہ بازی کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اس رہبر کمیٹی کو یہ کوشش بھی کرنی چاہیے کہ دین میں رسوخ رکھنے والے محقق علماء کی معاشرے میں عزت ہو اور لوگ مسائل میں ان کی طرف رجوع کریں اور معمولی پڑھے لکھے واعظین کو اشتعال انگیز تقریر وتحریر سے روکا جائے تاکہ وہ فرقہ واریت اور عدم برداشت کو فروغ دینے کا سبب نہ بنیں۔

ہماری رائے یہ ہے کہ ہر مسلک کی دینی جماعتوں کے اندر اصلاح کی اس طرح کی تحریک خود ان کے اپنے اندر سے ابھرنی چاہیے اور اسے مؤثر اور نتیجہ خیز ہونا چاہیے کیونکہ باہر سے کی گئی کوئی کوشش نہ تو مؤثر ہو سکتی ہے اور نہ قابل قبول۔ اپنا احتساب آپ ہی بہترین طریقہ ہے اور یہی ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے۔

ہم ہر مسلک کے بزرگ علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس تجویز کو آگے بڑھائیں۔ ان میں سے کوئی صاحب اللہ کا نام لے کر اُٹھیں اور مجوزہ 'رہبر کمیٹی' بنائیں اور اس تجویز پر عمل درآمد کی راہ ہموار کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سے علماء کرام اور اہل دین کی عزت ووقار میں اضافہ ہوگا، ان کی قوت بڑھے گی اور وہ افراد اور معاشرے کی اصلاح میں مزید مؤثر ثابت ہوں گے اور ملک میں شریعت کے نفاذ اور احکام دینیہ پر عمل کی منزل قریب آئے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں اور دنیا وآخرت کی سرفرازی ہمارا مقدر کریں، آمین یارب العالمین۔

اتحاد بین العلماء مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

'احیائے دین کی جدو جہد کا صحیح طریقہ'

مولانا مودودیؒ کا تبلیغی جماعت کو خراج تحسین

مولانا مودودیؒ نے ستمبر ۱۹۳۹ء میں (یعنی جماعت اسلامی کے قیام سے پہلے) میوات میں مولانا الیاس صاحبؒ کے تبلیغی کام کا جائزہ لیا اور اسے خراج تحسین پیش کیا۔ ان کا یہ مضمون ترجمان القرآن کے اکتوبر ۱۹۳۹ء کے شمارے میں ''احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ اور ایک قابل تقلید نمونہ'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ بعد میں مولانا منظور نعمانی نے اسے 'الفرقان' میں ۱۹۷۹ء میں شائع کیا اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے ترجمان 'الحسن' نے اسے جولائی ۲۰۱۰ء میں طبع کیا لیکن اس کے باوجود یہ دینی حلقوں میں زیادہ معروف نہیں ہے۔ البرہان چونکہ دینی مسالک اور جماعتوں کے درمیان اتحاد و خیر سگالی کے فروغ کا علم بردار ہے لہٰذا ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ مدیر

گذشتہ ماہ رجب کے اواخر (۱۳۵۸ھ/ستمبر ۱۹۳۹ء) میں مجھ کو دہلی سے متصل ایک علاقہ میں جانے کا اتفاق ہوا، جو ''میوات'' کے نام سے معروف ہے۔ ایک مدت سے سن رہا تھا کہ وہاں مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی رہنمائی میں خاموشی کے ساتھ ایک تحریک چل رہی ہے، جس نے دس بارہ سال کے اندر اس علاقہ کی کایا پلٹ دی ہے۔ آخر کار شوق طلب نے مجھے مجبور کر دیا کہ خود جا کر حالات کی تحقیق کروں۔ اس سفر میں جو کچھ میں نے دیکھا اور جو نتائج میں نے اخذ کیے ہیں چاہتا ہوں کہ انہیں ناظرین ترجمان القرآن تک بھی پہنچا دوں تا کہ اللہ کے جو بندے درحقیقت کچھ کرنا چاہتے ہیں، ان کو کام کرنے کے لیے ایک صحیح راہ مل سکے۔

میو قوم دہلی کے آس پاس الور، بھرت پور، گوڑ گاؤں اور دوسرے متصل علاقوں میں آباد ہے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس کی مجموعی تعداد ۳۶ لاکھ سے کم نہیں ہے۔ اب سے صدیوں پہلے غالباً حضرت

نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء و متبعین کی کوششوں سے اس قوم میں اسلام پہنچا تھا، مگر افسوس کہ بعد کے زمانے میں مسلمان حکمرانوں اور جاگیرداروں کی غفلت سے وہاں اسلامی تعلیم اور تربیت کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ حکومت کے مرکز سے اس قدر قریب آباد تھے، ان میں قدیم جاہلیت کی تمام خصوصیات باقی رہیں اور رفتہ رفتہ وہ اسلام سے اس قدر بعید ہوتے چلے گئے کہ ان میں بجز اس خیال کے کہ ''ہم مسلمان ہیں'' اور کوئی چیز اس کی باقی نہ رہی۔ ان کے نام تک مسلمانوں کے سے نہ رہے تھے۔

ناہر سنگھ اور بھوپ سنگھ، ٹوٹر دا واسی قسم کے ناموں سے وہ موسوم ہوتے تھے۔ ان کے سروں پر چوٹیاں تھیں۔ ان کے ہاں مورتیاں پوجا جاتی تھیں۔ اپنی حاجات کے لیے وہ انہی دیویوں کی طرف رجوع کرتے تھے جن کی پوجا قدیم زمانے میں ان کے اسلاف کیا کرتے تھے۔ اسلام سے وہ اس قدر ناواقف تھے کہ عام دیہاتی باشندوں کو کلمہ تک یاد نہ تھا۔ حتیٰ کہ نماز کی صورت تک سے وہ ناآشنا تھے، کبھی کوئی مسلمان اتفاق سے ان کے علاقہ میں پہنچ گیا اور اس نے نماز پڑھی تو گاؤں کے عورت، مرد، بچے سب اس کے گرد یہ دیکھنے کے جمع ہوجاتے ہیں کہ یہ شخص کیا حرکتیں کر رہا ہے۔ اس کے پیٹ میں درد ہے یا اسے جنون ہوگیا کہ بار بار اُٹھتا بیٹھتا اور جھکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے اندر جاہلیت کی تمام وحشیانہ عادتیں پائی جاتی تھیں۔ گندی اور ناصاف زندگی، طہارت کے ابتدائی اصولوں تک سے ناواقف، عورت اور مرد سب نیم برہنہ اور شرم وحیا سے عاری، چوری، رہزنی، ڈکیتی اور دوسرے مجرمانہ افعال کا ارتکاب عام طور پر پھیلا ہوا۔ کسی مسافر کا بخیریت ان کے علاقہ سے گزر جانا مشکل، پھر ان کے قبائل اور علاقوں میں چھوٹی چھوٹی جاہلانہ باتوں پر اسی قسم کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، جیسی عرب جاہلیت کے حالات میں آپ پڑھتے ہیں۔ ان کی آبادی مختلف حلقوں میں بٹی ہوئی تھی، اور بسا اوقات دو یا چند حلقوں میں کسی عورت یا کسی جانور یا کسی اور چیز پر ایسی عداوتیں برپا ہو جاتی تھیں جن کا سلسلہ مدتوں چلتا رہتا تھا۔ یوں اس جفاکش، بہادر اور طاقت ور قوم کی ساری پیدائشی قوتیں ضائع ہو رہی تھیں اور وہ نہ صرف اپنے لیے ترقی و فلاح کا کوئی راستہ نہ پاتی تھیں بلکہ اپنے ہمسایوں کے لیے بھی سبب اضطراب بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں کو اس علاقہ کے انتظام کا تجربہ ہے وہ اعتراف کرتے ہیں کہ انگریزی حکومت اور الور دو بھرت پور کی ریاستیں وہاں امن قائم کرنے اور بہتر تمدنی حالات پیدا کرنے میں ناکام رہی تھیں۔

ان حالات میں جناب مولانا محمد الیاس صاحب نے وہاں کام شروع کیا اور اس دس بارہ سال کی

مختصر سی مدت میں اس قوم کے بیشتر حصہ کی کایا پلٹ دی۔اب اس علاقہ میں قریباً ڈھائی سو مدرسے قائم ہیں، جہاں دیہات کے لڑکے آکر اپنے دین سے ابتدائی واقفیت حاصل کرتے ہیں۔ان میں سے جو لوگ اعلیٰ درجہ کی دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے دہلی سے قریب انہی حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کی بستی میں مدرسہ قائم ہے، جن کی بدولت ابتداء اس قوم کو اسلام کی نعمت میسر ہوئی تھی۔اس مدرسہ میں نہ صرف علوم دینیہ کی تکمیل کرائی جاتی ہے، بلکہ طلبہ کو خاص دینی تربیت بھی دی جاتی ہے، اور تبلیغ واصلاح کی عملی مشق کرانے کے لیے ان سے آس پاس کے دیہات میں عملی کام بھی لیا جاتا ہے۔اس مدرسہ کی برکت سے خود میو قوم میں علماء اور مبلغین کی ایک معتد بہ جماعت پیدا ہوگئی ہے۔جو ان شاء اللہ اس قوم کو دین کے راستے پر قائم رکھنے کی ضامن ہوگی۔مولانا محترم نے خود اس قوم کے مبلغوں سے اس کی اصلاح کا کام لیا اور ان کی پیہم کوششوں کا نتیجہ جو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں یہ ہے کہ بعض علاقوں میں گاؤں کے گاؤں ایسے ہیں جہاں ایک بچہ بھی آپ کو بے نمازی نہ ملے گا۔دیہات کی وہ مسجدیں جہاں یہ لوگ اپنے مویشی باندھتے تھے، آج وہاں پانچوں وقت اذان اور جماعت ہوتی ہے۔ آپ کسی راہ چلتے دیہاتی کو روک کر اس کا امتحان لیں، وہ آپ کو صحیح تلفظ کے ساتھ کلمہ سنائے گا۔اسلام کی تعلیم کا سیدھا سادھا لب لباب جو ایک بدوی کو معلوم ہونا چاہیے، آپ کے سامنے بیان کرے گا اور آپ کو بتائے گا کہ اسلام کے ارکان کیا ہیں؟ اب آپ وہاں کسی مسلمان مرد، عورت یا بچہ کو ہندوانہ لباس میں پائیں گے، نہ اس کے جسم کو بے ستر دیکھیں گے، نہ اس کے گھر کو اور نہ اس کے لباس کو نجاستوں سے آلودہ پائیں گے۔ان کی عادات وخصائل اور ان کے اخلاق میں بھی اس مذہبی تعلیم وتبلیغ کی وجہ سے نمایاں فرق ہوگیا ہے۔اب وہ متمدن اور مہذب طرز زندگی کی طرف پلٹ رہے ہیں۔جرائم میں حیرت انگیز کمی ہوگئی ہے۔لڑائیاں، فسادات اور مقدمات بہت کم ہوگئے ہیں۔ان کا علاقہ اب ایک پرامن علاقہ ہے، جس کا اعتراف خود وہاں کے حکام کررہے ہیں۔ان کی معاشرت، ان کے لین دین، ان کے برتاؤ غرض ہر چیز میں عظیم تغیر ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے گردوپیش کی آبادی پر ان کا نہایت اچھا اخلاقی اثر مرتب ہورہا ہے۔ اب وہ ذلت اور بے اعتباری کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے، بلکہ ان کی عزت قائم ہوتی جارہی ہے اور ان کے کیریکٹر پر اعتماد کیا جانے لگا ہے۔

مولانا نے عام دیہاتیوں کے اندر تبلیغ واصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ایسی سپرٹ پیدا کردی ہے کہ جو لوگ کل تک خود گمراہ تھے، وہ اب دوسروں کو راہ راست بتاتے پھرتے ہیں۔کھیتی باڑی کے کاموں سے فرصت پانے کے بعد مختلف قریوں سے ان دیہاتیوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ تبلیغ کے

لیے نکلتے ہیں۔گاؤں گاؤں پہنچ کرلوگوں کوخیر وصلاح کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ان کا رختِ سفر اور زاد راہ ان کے کندھوں پر ہوتا ہے۔کسی پر اپنا بار نہیں ڈالتے ،نہ کسی سے اپنے لیے کچھ طلب کرتے ہیں،محض اللہ کی خوشنودی ان کے مدنظر ہوتی ہے اور بے غرضانہ کام کرتے ہیں، اس لیے جہاں جاتے ہیں دیہات اور قصبات کی آبادیوں پر ان کا غیر معمولی اثر ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا بسا اوقات یہ لوگ پیدا گشت کرتے ہوئے دو دو میل تک چلے جاتے ہیں، اور جن جن بستیوں پر سے ان کا گزر ہوتا ہے، وہ مذہبی بیداری اور کلمہ ونماز کے نور سے منور ہو جاتی ہیں۔خود مجھے بھی ان میں سے بعض بدوی مبلغین سے بات کرنے کا اتفاق ہوا اور ان کی سیدھی سادی زبانوں سے جب میں نے ان کے مقاصد اور ارادے سنے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ آغاز اسلام میں عرب کے بدوؤں کو جس روح نے صراط مستقیم کی تبلیغ کے لیے اُٹھایا تھا وہی روح ان لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے۔ایک جاہل کسان سے میں نے پوچھا کہ تم دورے کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ''ہم جہالت میں پڑے ہوئے تھے، نہ ہم کو خدا کی خبر تھی نہ رسول کی، اس مولوی کا خدا بھلا کرے کہ اس نے ہمیں سیدھا راستہ بتایا۔اب ہم چاہتے ہیں کہ ان دوسرے بھائیوں تک بھی یہ نعمت پہنچائیں جو ہمیں ملی ہے۔'' یہ الفاظ سن کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، یہی جذبہ تو تھا جس سے مخمور ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُٹھے تھے اور اس طرح اُٹھے تھے کہ انہیں اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ رہا تھا۔

اس دینی اصلاح نے میواتی قوم کے اس قبائلی انتشار کو بڑی حد تک دور کر دیا ہے جس نے اب تک ان کی قوتوں کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ دیہات میں وقتاً فوقتاً جلسے ہوتے رہتے ہیں، جن میں بیس بیس پچیس پچیس کوس سے لوگ شریک ہونے کے لیے آتے ہیں۔آٹھ آٹھ دس ہزار کا مجمع ہو جاتا ہے۔ایک جگہ بیٹھ کر دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور وہیں ان کے آپس میں جھگڑے بھی چکائے جاتے ہیں۔ پھر دیہات سے جو تبلیغی جماعتیں نکلتی ہیں وہ نہ صرف دین کی تعلیمات پھیلاتی ہیں بلکہ ساتھ ہی خود باہمی اُخوت ومحبت کے تعلقات بھی قائم کر لیتی ہیں۔اس طرح قبائلی تفرقہ کی جگہ رفتہ رفتہ قومی وحدت پیدا ہو رہی ہے، اور ایک ایسی تنظیمی ہیئت وجود میں آتی جا رہی ہے جس سے آگے چل کر بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں۔ تنظیم کا ماحصل اس کے سوا اور کیا ہے کہ کثیر التعداد افراد ایک آواز پر مجتمع ہوں اور ایک آواز پر حرکت کرنے لگیں۔ یہی چیز وہاں پیدا ہو رہی ہے اور بڑی حد تک پیدا ہو چکی ہے۔

یہ قابل قدر نتائج جو گنتی کے چند برسوں میں برآمد ہوئے ہیں، محض ایک مخلص آدمی کی محنت و کاوش کا ثمرہ ہیں۔ وہاں نہ کوئی کمیٹی ہے، نہ چندہ ہے، نہ اس تحریک کا کوئی جداگانہ نام ہے، نہ اس کے ممبر بھرتی

کیے جاتے ہیں، نہ کوئی امیر و رئیس پشت پر ہے، نہ کوئی اخبار نکلتا ہے، نہ قواعد پریڈ اور یونیفارم اور باجوں اور جھنڈوں کے نمائشی مظاہرے ہوتے ہیں، نہ اپنے کارناموں کا اشتہار دیا جاتا ہے، خاموشی کے ساتھ ایک سیدھا سا مولوی مسجد میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ اس غریب کو نمائش اور پروپیگنڈہ کے جدید مغربی طریقے بالکل نہیں آتے، نہ اس نے آج تک اس کی ضرورت ہی محسوس کی ہے کہ اس کے کاموں کا ڈھول دنیا میں پیٹا جائے۔ ایک خالص دینی جذبہ ہے جو اس سے یہ کام لے رہا ہے اور ایک دھن ہے جس میں وہ رات دن لگا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اکیلے آدمی نے جو ٹھوس کام کیا ہے، وہ ہماری ان بڑی بڑی انجمنوں اور ان بلند بانگ تحریکوں سے آج تک بن نہ آیا، جن کے نام آپ رات دن اخباروں میں سنتے رہتے ہیں۔

حقیقتاً اس نوعیت کی تحریک ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں یا تو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھائی تھی یا حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا احیا کیا، یا اب مولانا محمد الیاس صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسے تازہ کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ میرا مقصد اس تحریک کے حالات بیان کرنے سے یہ نہیں ہے کہ جو اشتہار اب تک نہ ہوا وہ اب ہو جائے، بلکہ میں اس ذریعہ سے ان لوگوں کو جو نمائش کے طالب نہیں ہیں، اور دین و ملت کی کوئی حقیقی خدمت انجام دینے کے خواہش مند ہیں، چند اہم امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

(۱) اس وقت ہندوستان کے مسلمان عام طور پر جس حالت میں مبتلا ہیں وہ اس کی متقاضی ہے کہ ان کو از سرِ نو اسلام کی طرف دعوت دی جائے اور پھر سے انہیں اس طرح مسلمان بنایا جائے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو بنایا تھا۔ ان کا اخلاقی تنزل، ان کی دینی سرد مہری، ان کی احکام اسلام سے غفلت، ان کی قوتوں کا انتشار، ان کے خیالات کی پراگندگی، ان کا مختلف راستوں پر بھٹکنا اور رہبر و رہزن میں امتیاز کیے بغیر ہر پکارنے والے کی آواز پر دوڑ چلنا یہ سب نتائج ہیں اس ایک تحریک کے کہ یہ لا اِلٰہ الا اللہ کے مرکز سے ہٹ گئے ہیں۔ ہماری بنیادی غلطی، جس کی وجہ سے ہماری تمام مفید تحریکیں ناکام ہو رہی ہیں، یہی ہے کہ لفظ ''مسلمان'' جو ان کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے ہم دھوکا کھاتے ہیں، اور ان کو واقعی و حقیقی مسلمان سمجھ کر ان سے توقع رکھتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کی طرح کام کریں گے۔

ہم ان کے سامنے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام بیان کر کے اُمید رکھتے ہیں کہ یہ اس طرح ان کے آگے سر جھکائیں گے جس طرح ایک مسلمان کو جھکانا چاہیے، حالانکہ در حقیقت یہ احکام کے مخاطب نہیں

ہیں، بلکہ کلمہ طیبہ کے مخاطب ہیں، جب کہ ان کے دلوں میں کلمہٗ لا الٰہ الا اللہ اُترا ہی نہیں ہے، پھران سے احکام کی وہ اطاعت اور وہ مسلمانہ روش کیونکر ظاہر ہوسکتی ہے جو محض اس کلمہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہوتی ہے۔مولانا محمد الیاس صاحب کی کامیابی کا اوّلین سبب یہی ہے کہ انہوں نے کلمہ طیبہ کی تبلیغ سے کام کی ابتداء کی، پھر جولوگ اس پر ایمان لائے وہ ہر اس حکم کی تعمیل کرتے چلے گئے جو اُن کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے سنایا گیا، وہ لوگ حقیقت میں نومسلم ہیں اور نومسلم ہی کی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بالارادہ جس چیز پر ایمان لاتا ہے اس کے مقتضیات کو بہ طوع ورغبت پورا کرتا ہے۔

اب جولوگ دین کا احیاء چاہتے ہیں ان کے لیے اس کے سوا کوئی راہِ عمل نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو مسلمان فرض کرکے آگے کی منزل پر پیش قدمی کرنے کا طریقہ چھوڑ دیں اور ان میں از سرِ نو پہلے قدم سے دین کی تبلیغ شروع کریں۔

(۲) موجودہ حالات اس کے لیے ساز گار نہیں ہیں کہ کوئی آل انڈیا نظام بنا کر کام کیا جائے۔سرِ دست یہی مناسب ہے کہ جو جہاں بیٹھا ہے وہیں اپنے اطراف ونواح یا اپنے قبیلہ کے لوگوں کو مسلمان بنانے کا کام شروع کرے اور اپنے اندر جتنی قوت واستعداد پاتا ہو اسی کے لحاظ سے اپنے کام کا ایک دائرہ معین کرے۔اپنی استطاعت سے زیادہ پھیل کر کام کرنے کی کوشش کرنا آدمی کی قوتوں کو منتشر کردیتا ہے اور پورے کی فکر میں ادھورا کام بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا محض کارکنوں کو جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے حلقے بنا کر کام کرنا چاہیے۔اگر حقیقت میں خلوص کارفرما ہوگا اور ذاتی خواہشات کا غلبہ نہ ہوگا تو بعد کو یہ مختلف حلقے بڑی آسانی کے ساتھ ایک نظام میں منسلک ہوسکیں گے۔اپنی انفرادیت برقرار رکھنے پر اصرار وہیں ہوتا ہے جہاں نفسانیت کی کھوٹ موجود ہوتی ہے۔

(۳) انجمن سازی کی ضرورت نہیں ہے، کوئی علیحدہ نام رکھ کر کام کرنا بجائے مفید ہونے کے مضر ہوتا ہے، کیونکہ اس سے غیر شعوری طور پر لوگوں میں یہ ذہنیت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ اسلام میں نہیں بلکہ فلاں نام کی جماعت میں داخل ہورہے ہیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سیدھے سادے طور پر اسلام......اسی پرانی اور اصلی جماعت......ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے اور جب وہ اس میں داخل ہوں تو انہیں بتا دیا جائے کہ تم میں اور عام مسلمانوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ تم شعوری مسلمان ہو اور وہ ابھی تک بے شعور مسلمان ہیں، تمہارا فرض یہ ہے کہ ان کو بھی شعوری اسلام کی نعمت میں شریک کرو تا کہ تمہاری جماعت وسیع ہو۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ جولوگ اس طرح سے ایک جماعت میں شریک ہوتے جائیں گے ان کے اندر آپ سے آپ ایک نظمی ہیئت پیدا ہوتی چلی جائے

گی اور قدرتی طور پر ان کا داعی اوّل ہی ان کا لیڈر ہوگا اور وہاں ایک باضابطہ کمیٹی سے زیادہ اچھی عملی تنظیم پائی جائے گی بشرطیکہ لیڈر خود اپنی امارت قائم کرنے کا خواہش مند نہ ہو بلکہ امارت کا نشوونما اس طور پر ہو جیسے بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے۔

(۴) علیٰ ہذا القیاس یہ مناسب نہیں کہ نمائشی کام کے ان طریقوں کی پیروی کی جائے جو آج کل کثرت سے رائج ہو رہے ہیں اور جنھوں نے عموماً دماغوں کو مسحور کر رکھا ہے۔ لوگ اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جھنڈے، نعرے، وردیاں، پریڈ، سڑکوں پر مارچ کرنا اور مصنوعی جنگیں کرنا، جن کا نام عسکری تنظیم رکھا گیا ہے، کامیابی کے لیے ضروری ہیں، کیونکہ یہی چیزیں عوام کو کھینچتی ہیں اور انہی کے راگ سے ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا ہے کہ جو شخص کسی تحریک کو چلائے اس کے لیے ایک اخبار بھی ضروری ہے، جس کے ذریعہ سے وہ باہر کی دنیا کو ہمیشہ اپنے کارناموں کی رپورٹیں پہنچاتا رہے، کیونکہ اگر دنیا کو یہ معلوم ہی نہ ہو کہ آپ نے اب تک اتنے ہزار پمفلٹ اتنی زبانوں میں شائع کیے ہیں یا یہ کہ فلاں جگہ کسی بڑھیا کا گھر جل رہا تھا اور آپ کے خادمانِ خلق نے وہاں پہنچ کر اس پر اتنی بالٹیاں پانی کی ڈالیں، یا یہ کہ آپ کے متبعین کی تعداد کس رفتار سے بڑھ رہی ہے اور کہاں کہاں آپ کے کارکن کیا کیا خدمات انجام دے رہے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کی ساری محنتیں رائیگاں ہی گئیں۔ آج کل بعض تحریکوں نے کچھ ایسا جادو لوگوں کے دماغوں پر کر دیا ہے کہ بعض مخلص آدمی بھی جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو ان کا ذہن خواہ مخواہ اسی طرز کی کارروائیوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، لیکن میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ اہلِ اخلاص کا یہ طریقہ کار کبھی نہیں رہا اور نہ اس طرز پر کوئی ٹھوس کام دنیا میں ہو سکتا ہے۔ ایک لمبی نوک دار ٹوپی پہن کر بازار میں کھڑے ہو جایئے اور گھنٹی بجایئے آن کی آن میں بہت سے آدمی آپ کے گرد جمع ہو جائیں گے، مگر کیا اس طریقہ سے جمع ہونے والی بھیڑ سے آپ اس کے سوا اور کوئی کام بھی لے سکتے ہیں کہ بس اپنی چند دوائیں بیچ لیں۔

اس مثال سے سمجھ لیجیے کہ بظاہر پر فریب تدبیروں سے تماشا پسند لوگوں کا جو ہلڑ برپا ہوتا ہے وہ کوئی جہاں کشا طاقت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے تو صحیح طریقہ وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اختیار کرتے ہیں، یعنی یہ کہ ایک شخص خالص خدا کی خوشنودی کے لیے پتا مار کر ایک جگہ بیٹھے، خاموشی کے ساتھ دعوت و اصلاح کا کام کرے، رفتہ رفتہ لوگوں کے دل اور ان کی زندگیاں بدلے اور برسوں کی لگاتار محنت سے مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کرے جو تعداد کے اعتبار سے چاہے مٹھی بھر ہی ہو، مگر ایمان اور عملِ صالح کی دولت سے بہرور ہو۔ ایسے آدمیوں میں عقیدہ کی جو حرارت اور کیریکٹر کی جو صلاحیت ہوگی اور احکامِ شرعیہ

کی پابندی سے ان میں منظم اور منضبط طریقہ سے کام کرنے کی جو مستقل عادات پیدا ہوں گی، وہی در حقیقت عسکریت کی اصلی روح ہیں اور یہی عسکریت ہم کو مطلوب ہے۔

(۵) جہاں تک عوام میں کام کرنے کا تعلق ہے، میرے نزدیک اس کے لیے وہ طریق عمل سب سے بہتر ہے اور انبیاء کے طریق عمل سے اشبہ ہے جس سے مولانا محمد الیاس صاحب نے کام لیا ہے۔ جو لوگ اس طریقہ پر کام کرنا چاہتے ہوں ان کو مشورہ دوں گا کہ مولانا کے پاس جا کر ان کے کام کا ڈھنگ دیکھیں، ان کے مبلغوں کے ساتھ تعاون کر کے عملی سبق حاصل کریں، اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں اسی طرز پر دعوت و اصلاح شروع کر دیں۔ اس طرزِ عمل کے متعلق جو بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں ابتداءً بڑے صبر کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی۔ بسا اوقات چند کام کے آدمی پیدا کرنے میں برسوں بیت جاتے ہیں اور بارہا یہ خیال کر کے دل ٹوٹنے لگتا ہے کہ اس کا مشن ناکام رہا۔ ان سختیوں سے گزرنے کے بعد کہیں کامیابیوں کا ظہور رہوتا ہے۔

(۶) جو لوگ عوام میں کام کرنا چاہیں ان کے لیے دیہی علاقے بہ نسبت شہروں کے زیادہ بہتر ہیں۔ ہماری شہری آبادیوں کا مزاج ان ہنگامی تحریکوں نے بہت بگاڑ دیا ہے جو آج کل وباؤں کی طرح پھیل رہی ہیں۔ ان تحریکوں کی وجہ سے لوگ نمائش، ریا اور ہنگامہ کے خوگر ہو گئے ہیں اور کسی ایسی تحریک کی طرف بمشکل راغب ہوتے ہیں جو ان کے ظاہر کی بہ نسبت ان کے باطن کی طرف زیادہ توجہ کرنے والی ہو اور جو انہیں اندر سے بدل کر ایک مضبوط سیرت کی تخلیق کرنا چاہتی ہو۔ لہٰذا انسب یہ ہے کہ شہروں کو سر دست ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور دیہات کی آبادیوں کو درست کیا جائے، جہاں ابھی تک سادہ فطرت رکھنے والے اثر پذیر لوگ پائے جاتے ہیں۔ تاہم جن لوگوں کو اپنے لیے شہروں میں کامیابی کے مواقع نظر آتے ہوں وہ اس سے فائدہ اُٹھانے میں تأمل بھی نہ کریں۔

(۷) عوام میں کام کرنے والوں کو یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسلام کا پیغام ان لوگوں تک محدود نہیں ہے جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ سارے انسانوں کے لیے عام ہے، لہٰذا انہیں مسلم غیر مسلم سب کے پاس اس پیغام کو لے کر پہنچنا چاہیے، لیکن غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے کے لیے اتنی باتیں ضروری ہیں۔

اوّلاً ہمیں ان مواقع کو دور کرنا چاہیے جن کی وجہ سے غیر مسلموں میں اسلام کے خلاف شدید تعصّبات پیدا ہو گئے ہیں۔ انگریزی حکومت کے اثرات سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان جو

سیاسی، معاشی اور معاشرتی رقابتیں پیدا ہوگئی ہیں ان کا اثر دیہات کی زندگی تک گہرا اثر کر گیا ہے، اور آئے دن کے فسادات اور کشمکشوں نے ایسی منافرت دونوں گروہوں کے درمیان پیدا کر دی ہے کہ یہ دو مقابل کیمپ بن گئے ہیں۔ ان حالات میں عام غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا مشکل ہے، کیونکہ ان کے دل کے دروازے اس پیغام کے لیے مقفل ہو چکے ہیں۔ اب جو لوگ تبلیغ حق کا فرض انجام دینا چاہتے ہوں ان کو سب سے پہلے اس قفل کی کنجی ڈھونڈنی چاہیے اور وہ کنجی یہی ہے کہ ان رقابتوں عداوتوں اور کشیدگیوں کو کم کیا جائے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں پیدا ہوگئی ہیں۔ مسلمانوں میں عام طور پر یہ ذہنیت پیدا کرنی چاہیے کہ ان کی تنظیم و اصلاح کا مقصد غیر مسلم ہمسایوں کے مقابلہ میں قومی مسابقت کے لیے تیار کرنا نہیں ہے، بلکہ خود مسلمان بننا اور دوسروں تک اسلام کی نعمت کو پہنچانا ہے۔ ہر مسلمان میں انصاف پسندی، فیاضی، ہمدردی، ملاطفت کے جذبات پیدا ہونے چاہئیں اور غیر مسلموں کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو روحانی اور اخلاقی بیماری میں مبتلا ہیں، اور ہمارا کام یہ نہیں کہ انہیں بیمار رہنے دیں اور ان سے پرہیز کریں بلکہ یہ ہے کہ انہیں بیماری سے بچا کر تندرستوں میں شامل کریں۔

ثانیاً عام مسلمانوں کو اپنے معاملات اور اپنے طرزِ زندگی کے اعتبار سے اتنا بلند ہونا چاہیے کہ محض ان کو دیکھ کر ہی ہر وہ شخص ان سے متاثر ہو جائے جس کی فطرت میں نیکی، سچائی، راست بازی، انصاف، حسن اخلاق، صفائی ستھرائی اور پاکیزہ طرزِ زندگی کو پہچاننے کی کچھ بھی استعداد موجود ہو۔ اگر عامۃ مسلمین میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں اور غیر مسلم باشندے اپنے گرد و پیش کی مسلمان آبادی کو اخلاقی حیثیت سے اپنے مقابلہ میں برتر پانے لگیں تو یقین جانئے کہ کسی کو ان سے یہ کہنے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے گی کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ان میں جتنے راستی پسند لوگ موجود ہیں، (اور کون سی قوم ایسی ہے جس میں ایسے لوگ شامل نہیں ہوتے) وہ خود بخود اس جماعت میں شامل ہونے کی خواہش کریں گے جس کے اصول زندگی انسان کو اتنا بلند و برتر بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا عام مسلمانوں میں یہ ذہنیت پیدا کرنی چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنے آپ کو اسلام کا نمائندہ سمجھیں اور زندگی کے ہر معاملہ میں یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ ان کی حرکت سے اسلام کے برحق ہونے یا نہ ہونے کے متعلق رائے قائم کی جاتی ہے۔

ثالثاً عام مسلمانوں میں ہندوانہ اثرات کے تحت اونچ نیچ اور چھوت چھات کے جو خیالات پیدا ہو گئے ہیں، ان کی بیخ کنی کرنی چاہیے اور انہیں اس بات پر آمادہ کرنا چاہیے کہ ہر غیر مسلم کو خواہ وہ کسی طبقہ کا ہو بالکل مساویانہ حیثیت سے اپنے نظام معاشرت میں لے لیں اور کسی حیثیت سے اس کے ساتھ امتیاز نہ برتیں، حتیٰ کہ اس سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرنے میں بھی تأمل نہ کریں۔

(۸) یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ بس مذہبی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور اسلامی نظام جماعت کا قیام ہی وہ آخری منزل ہے جس پر پہنچ کر ہمارا کام ختم ہو جاتا ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ پہلی منزل ہے، جسے طے کرنے کے بعد آگے بڑھنے کے لیے راستہ کھلتا ہے، کلمۂ طیبہ پر ایمان اور اس مرکز پر منتشر قوموں کو مجتمع ہونا اور احکام شریعت کی پابندی سے لوگوں کے اندر انضباط اور منظم عادات و خصائل کا پیدا ہو جانا تو دراصل وہ چیز ہے جس سے زمین ہموار ہوتی ہے تا کہ اس پر عمارت تیار کی جاسکے۔ جہاں یہ زمین ہموار ہو جائے جیسے میوات کے علاقہ میں اس وقت ہو چکی ہے۔ وہاں ان لوگوں کے لیے کام کا موقع ہے جنہوں نے تنظیم شئون انسانی کے جدید طریقوں کی تعلیم حاصل کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہاں جا کر مذہبی مصلحین کے ساتھ تعاون کریں اور اس علاقہ میں علم کی روشنی پھیلائیں، وہاں کے عوام میں سیاسی بیداری اور شعور پیدا کریں۔ ان کی معاشی حالت درست کرنے کی کوشش کریں اور اسلامی اصول پر مالیات کا ایک نیا نظام تعمیر کریں۔ غرض مختلف پہلوؤں سے اس علاقہ کے لوگوں کو ترقی کے راستہ پر لگائیں اور ان کو ایک ایسی مضبوط اور منظم حالت تک پہنچا کر دم لیں، جس کا طبعی نتیجہ یہ ہو کہ خدا اپنی خلافت سے ان کو سرفراز فرما دے اور وہ زمین کے صالح وارث (نہ کہ غاصب متملک) بن جائیں۔

شمع جلتی رہے

البرہان محض ایک جریدہ نہیں ایک مشن ہے۔ اگر آپ کو اس کے مضامین سے دلچسپی ہے تو کوشش کیجیے کہ یہ شمع جلتی رہے اور یہ شمع تبھی جلتی رہے گی جب آپ اس میں اپنے حصے کا تیل ڈالتے رہیں گے۔ خود بھی البرہان کے خریدار بنئے اور دوسروں کو بھی بنائیے۔

زرِاعانت سالانہ 400روپے　　　تاحیات 5000روپے

نام.................................. پتہ..................................

فون..................................

چیک اور منی آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ A-71 فیصل ٹاؤن، لاہور بھجوائیے

ٹرسٹ کو دیے جانے والے عطیات ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں

اتحادِ امت　　صوفی ابوانیس برکت علیؒ

وقت کی اہم پکار۔اتحاد بین المسلمین

اے مسلمان! اے میری جان!

اتحاد وقت کی اہم ترین پکار ہے۔قومیت وفرقہ وارانہ کشیدگی سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ کے مابین اتحاد واخوت کو فروغ دینے کے لیے متحد ہو جا۔ظلم وجارحیت کو مٹانے کے لیے متحد ہو جا۔مظلوم ومجبور کی حمایت کے لیے متحد ہو جا۔اللہ کے دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانے کے لیے متحد ہو جا۔اور ضرور ہو جا۔یہ اختلافات بھی کوئی اختلافات ہیں؟ ان سب کو بالائے طاق رکھ کر اللہ کے برکت والے نام پہ اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کے وقار کو بلند تر کرنے کے لیے متحد ہو جا اور ضرور ہو جا۔ ہر قیمت پہ ہو جا۔جس طرح بھی ہو سکے ہو جا۔اگر اس راہ میں تیری جان کی بھی ضرورت پڑے تو گریز نہ کر۔

اللہ رب العالمین نے فرمایا:

وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ (آل عمران:۱۰۳)

’’یعنی اللہ کی رسی (دین اسلام) کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقوں میں مت بٹو۔‘‘

کیا ہم نے اس رسی کو مضبوطی سے پکڑا؟ کیا ہم فرقوں میں بٹے ہوئے نہیں؟ کیا ہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں؟

غور سے سنئے! دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین، کائنات کی سب سے بڑی سچائی اور ایک امانت ہے۔اللہ تعالیٰ اور سردار انبیاء کی طرف سے اور ہم سب اس کے امین ہیں۔یہ دین ایک برادری کی تشکیل کرتا ہے۔ایک ایسی برادری جو خالق کائنات کی فرمانبردار ہے۔جو کرۂ ارض پر امن وسکون، حق و انصاف اور سچائی کی علمبردار ہے۔اس برادری کے ڈیڑھ ارب افراد اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے ہیں۔یہ اخوت کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قائم کیا ہوا ہے۔اس رشتے کے مقابلے میں باپ بیٹے اور بہن بھائی ایسے تمام رشتے کچے دھاگے کی مانند ہیں۔ڈیڑھ ارب مسلمان اور رشتہ اخوت ...... یہ ہے ملتِ اسلامیہ..... حق و انصاف کی علمبردار...... مگر آہ...... یہ مرکز سے دُور کیوں ہے؟ یہ انتشار کیسا ہے؟ یہ جدائیاں کیوں ہیں؟...... ان کے درمیان یہ مصنوعی دیواریں کیسی ہیں؟ ملت کا

ہر فرد......اسلام کا ہر فرزند جواب دے کہ ان دیواروں کو کون منہدم کرے گا؟ ان مصنوعی فاصلوں کو کون ختم کرے گا؟

ہے کوئی جمال الدین افغانیؒ؟ ہے کوئی صلاح الدین ایوبیؒ؟

ہے کوئی محمد بن قاسمؒ؟

سامنے آئے ملت کو تمہاری ضرورت ہے۔

اے ملت کے نوجوانو! مرکزیت......استنبول، قاہرہ یا دمشق میں نہیں ہے...... جکارتہ، راولپنڈی یا کابل ملت کا مرکز نہیں......مکہ معظّمہ کو مرکز مانو!......کعبہ کی مرکزیت تسلیم کرو......جس کو اللہ رب العزت نے مرکزیت عطا کی۔ آؤ عالم اسلام کو ایک کرو۔ اسلام کی شمع روشن کرو...... سچے مسلمان بنو......دکھی انسانیت کے لیے ٹھنڈک بنو......بنی نوع انسان کے لیے ایک معاشرہ قائم کرو......جو ظلم و زیادتی سے پاک ہو جس میں حق و انصاف کا بول بالا ہو!......

اے مسلمان! اے قیصر و کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو روندنے والے! تو نے یورپ کی وادیوں میں اذانیں دیں......روم کی جاہ وحشمت کو پارہ پارہ کیا......چین اور فرانس کی سرحدوں کو چھوا......تو نے ہی قسطنطنیہ کا آہنی حصار توڑا......ہسپانیہ میں اسلامی دبدبہ کا سکہ تو نے ہی بٹھایا......

آج تو بے بس ہے......کیوں؟ آج کفر غالب ہے......آخر کیوں؟

کفر کو تو مغلوب و مقہور ہونا چاہیے!

اے خوابیدہ مسلمان! بیت المقدس پر یہودی قابض ہیں...... مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی ہو رہی ہے۔ فلسطینی مہاجرین دھکے کھا رہے ہیں۔ ہندوستان میں قتل عام ہو رہا ہے۔ عالم اسلام جل رہا ہے۔ مگر تو اب بھی پہلے پاکستانی ہے...... افغانی یا بنگالی ہے......عرب یا عجمی ہے اور بعد میں مسلمان! ایک سویا ہوا مسلمان!

کیا تو اپنی کھوئی ہوئی عظمت اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے حاصل کرنا چاہتا ہے؟ تو آ......نورِ مجسم ہادی برحق ﷺ کی تعلیم کو پھر سے زندہ کر...... پہلے مسلمان بن......پھر کچھ اور۔

یہی تو ایک رشتہ ہے جس کی بدولت......تو ایک عالمگیر برادری کا فرد ہے...... جو سرور دو عالم ﷺ نے قائم کی تھی...... وہی برادری......جس کے ایک رکھنے کے بارے میں حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں پرزور الفاظ میں تاکید فرمائی تھی......یہی وہ سبق ہے جسے از سر نو تازہ کر کے تو اقوام عالم پر اپنی برتری

کا سکہ بٹھا سکتا ہے۔ وما علینا الا البلاغ (بشکریہ 'نوائے وقت'، لاہور)

مقالہ خصوصی / تعلیم و تربیت　　ڈاکٹر محمد امین

جدید دینی تحریکوں کا تعلیم سے تغافل

اسباب و اصلاحی تجاویز

[تنظیم اسلامی کے رہنما مختار فاروقی صاحب کے موقف کے حوالے سے]

۱۔ ہم نے جون ۲۰۱۳ء کے البرہان میں مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا مرتب کردہ نصاب شائع کیا تو مختلف دینی جرائد سے درخواست کی کہ وہ اس پر تبصرہ فرمائیں۔ مقصد یہ تھا کہ اس موضوع پر دینی مدارس کے علماء کرام اور اصحابِ دانش غور فرمائیں اور بات سے بات نکلے اور آگے بڑھے۔ وہ خط روٹین میں دوسرے جرائد کے ساتھ قرآن اکیڈیمی جھنگ کے جریدے ماہنامہ 'حکمت بالغہ' کو بھی بھیجا گیا جس کے مدیر شہیر ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی تنظیم اسلامی کے رہنما جناب انجینئر مختار حسین فاروقی ہیں۔ فاروقی صاحب نے غالباً ہماری درخواست کے جواب میں قلم اُٹھایا اور دینی مدارس کے نصاب کے پس منظر میں پورے تعلیمی مسئلے کا جائزہ لیا اور اس ضمن میں ہمارا نام لیے بغیر بالواسطہ طور پر ہمارے موقف پر بھی تبصرہ ہو گیا۔ اس سے پیشتر جب 'حکمت بالغہ' نے ایک دو دفعہ تعلیم کے متعلق خصوصی نمبر نکالے تو ہمیں بھی تبصرے کی دعوت دی گئی لیکن فاروقی صاحب ایسے مخلص ساتھی ہیں اور اتنے پیارے دوست ہیں کہ ان سے اختلافی بحث چھیڑنے کو دل نہیں چاہا لہٰذا ہم نے خاموشی بہتر سمجھی۔ اب جب ہماری درخواست پر انہوں نے تبصرہ لکھ کر ہمیں بھجوا دیا تو اسے شائع نہ کرنا زیادتی ہوتی چنانچہ ہم نے پچھلے ماہ کے البرہان میں اسے من وعن شائع کر دیا۔ پہلے تو ہمارا خیال یہ ہوا کہ اس پر خاموشی اختیار کی جائے، پھر سوچا کہ قلم اُٹھانے میں کوئی ہرج نہیں کہ اسی بہانے ہمیں جدید اسلامی تحریکوں کے طریقہ ہائے کار کے تناظر میں تعلیم و تربیت اور اس کی اہمیت اور حکمت عملی کے حوالے سے اپنا موقف ایک دفعہ پھر تحریری طور پر پیش کرنے کا موقع ہاتھ آ جائے گا چنانچہ اسی پس منظر میں یہ سطور پیش خدمت ہیں۔

جماعتِ اسلامی اور تنظیم اسلامی

۲۔ جدید دینی تحریکوں کا ایک بڑا گروپ وہ ہے جن کا نعرہ یا فکری محور اقامت دین ہے۔ اس کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں جنہوں نے ۱۹۴۱ء میں جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی۔

قیام پاکستان کے بعد جب مولانا مودودیؒ نے اقامت دین یا اسلامی انقلاب کے لیے جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کر کے انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا طریق کار اپنایا تو اس سے اختلاف کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے انتخابی طریق کار کو رد کرتے ہوئے ’انقلابی‘ طریق کار پر مبنی ’تنظیم اسلامی‘ قائم کی جب کہ انہیں اقامت دین کے تصور سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ اسی سے ملتا جلتا موقف بعد میں ’تحریک اسلامی‘ نے اختیار کیا۔ اگرچہ وہ کوئی بڑا تنظیمی ڈھانچہ یا حلقہ پیدا نہیں کر سکی لیکن بہرحال کام کر رہی ہے۔ جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب تنظیم اسلامی کے پرانے کارکن اور اب مرکزی عہدیدار ہیں۔

جب جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی تو اس کا طریق کار دعوت و اصلاح پر مبنی تھا اور وہ افراد کی فکری تطہیر کے ذریعے معاشرے کے اندر اسلامی تبدیلی لا کر اسے ریاست پر دینی غلبے یا انقلاب امامت کی منزل تک پہنچانا چاہتی تھی اور مغربی فکر و تہذیب کو خالص جاہلیت قرار دیتی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا مودودیؒ نے محسوس کیا کہ تحریک پاکستان کے نتیجے میں عوام اور حکمرانوں میں ایک نوع کا دینی جذبہ موجود ہے اور اس امر کا امکان موجود ہے کہ سیاسی جدوجہد کے ذریعے اسلامی حکومت قائم ہو جائے لہٰذا انہوں نے ’اقامت دین بذریعہ دعوت و اصلاح اور تطہیر افکار و اصلاح معاشرہ‘ کی بجائے ایک شارٹ کٹ کے طور پر ’اقامت دین بذریعہ سیاسی انتخابی جدوجہد‘ کا طریق کار اپنانے کا فیصلہ کیا۔ اسی فیصلے پر آج تک جماعت اسلامی قائم ہے اور اقامت دین کے لیے اس کی ساری جدوجہد اسی حوالے سے ہو رہی ہے۔

اب سیاسی جدوجہد اتنا وسیع تناظر رکھتی ہے اور اتنا وقت، سرمایہ اور محنت چاہتی ہے کہ یہ کل وقتی کام بن چکا ہے اور سارے وسائل ہڑپ کر جاتا ہے چنانچہ اس کے باوجود کہ مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی نے کبھی دعوت دین، تطہیر افکار اور اصلاح معاشرہ سے انکار نہیں کیا لیکن بتدریج یہ خود بخود (Mechanically & automatically) ہوتا چلا گیا کہ جماعت کی ساری محنت اور وسائل سیاسی جدوجہد کی نظر ہوتے چلے گئے اور دعوت و اصلاح کے کاموں کے لیے نہ وقت بچا اور نہ وسائل؛ اور کارکنوں کا مزاج بھی اسی کے مطابق ڈھلتا چلا گیا کہ سیاسی جدوجہد ان کی پہلی ترجیح بن گئی اور دعوت و اصلاح کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی چلی گئی۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اگرچہ جماعت سے انتخابی جدوجہد کے حوالے سے اختلاف کیا لیکن چونکہ وہ مولانا مودودیؒ کے تصور اقامت دین سے متفق تھے اور مولانا نے قیام پاکستان کے بعد ’اقامت

دین بذریعہ سیاسی جدوجہد' کا جو موقف اپنایا اور اس کے لیے انہوں نے جو علم الکلام مدون کیا، وہ اس کے بھی موید تھے لہٰذا انتخابی جدوجہد کی مصروفیت نہ ہونے کے باوصف مولانا مودودیؒ کی اس فکر کا ان پر اور تنظیم اسلامی اور اس کے کارکنوں پر وہی اثر پڑا جو جماعت اسلامی کے کارکنوں پر پڑا یعنی وہ بھی تعلیم و تربیت یا قرآنی اصطلاح میں تعلیم کتاب وحکمت اور ان کے ذریعے تزکیۂ نفوس کی طرف مائل نہ ہوئے اور نہ انہوں نے اس کو اپنے پیش نظر اسلامی انقلاب کے لیے وسیلہ اور ذریعہ (Tool) کے طور پر استعمال کیا۔ مولانا مودودیؒ سے تو راقم کو رو در رو اپنا موقف بیان کرنے کا موقع نہ ملا لیکن ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم اور ان کے جانشین ڈاکٹر ابصار احمد اور حافظ عاکف سعید صاحب سے ہمیں کئی دفعہ اس موضوع پر بات کرنے کا موقع ملا اور ہم نے تعلیم وتربیت کی اہمیت اور اسے دعوت و اصلاح اور اقامت دین و اسلامی انقلاب کے لیے بنیادی ذریعہ بنانے کی بات کی لیکن مولانا مودودیؒ کے تصور اقامت دین اور اس کے مخصوص طریق کار کا پیرو ہونے کی وجہ سے ہمارا موقف ان کی سمجھ میں نہیں آ سکا......اس کے باوجود کہ جب تنظیم اسلامی بن رہی تھی تو اس وقت مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم نے جو گفتگوئیں کی تھیں ان میں 'فرد' کی اصلاح پر بنیادی زور دینے کی بات موجود تھی؛ اور اس کے باوجود کہ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم رجوع الی القرآن کے داعی تھے؛ اور اس کے باوجود کہ جماعت اسلامی کی سیاسی جدوجہد کی ناکامیاں ان کے سامنے تھیں، فیاللعجب!

اور کچھ ایسا ہی حال اس 'تحریک اسلامی' کا ہے جس کی بنیاد نعیم صدیقی صاحب نے رکھی کہ وہ جماعت کی انتخابی جدوجہد اور تنظیم کی انقلابی جدوجہد (اور یہ دونوں اپنی اصل میں سیاسی جدوجہد ہی کی دو شکلیں ہیں) کی عدم نتیجہ خیزی کے باوجود اور دعوت و اصلاح کی طرف لوٹنے کی خواہش اور اعلان کے باوجود مولانا مودودیؒ کے تصور اقامت دین کے علم الکلام کے سحر سے نہ نکل سکی اور تعلیم کتاب وحکمت و تزکیۂ نفس کو اپنا بنیادی لائحہ عمل اور طریق کار نہ بنا سکی۔

جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کی خوبیاں تسلیم اور ان کے حاصلات اپنی جگہ قابل تعریف لیکن تعلیمی اور نظریاتی حوالے سے اگر دیکھیں تو اس صورت حال کے دو نتائج نکلے:

ایک تو یہ کہ تعلیم کی اہمیت کارکنوں کی نظر میں گر گئی اور اسے افراد امت کی اصلاح، ان کی فکری تطہیر، ایمانی نموء اور تعمیر شخصیت کے آلے کے طور پر استعمال کرنے کی طرف ان کی توجہ اور رجحان نہ رہا حالانکہ قرآن بار بار یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو لوگوں کی اصلاح کے لیے اور اقامت دین کے لیے جو نسخہ یا لائحہ عمل دیا تھا وہ تھا تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفس (البقرہ ۲:۱۲۹، ۱۵۱۔

آل عمران ۳: ۱۶۴۔ الجمعہ ۶۲: ۲) اور یہ ایک انتہائی بنیادی بات اور قرآنی نظریہ ہے...... اور کوئی نئی، فروعی، اجتہادی یا اختلافی بات نہیں ہے جسے سرسری لیا جائے یا جسے اہمیت نہ دی جائے۔ اس قرآنی نسخے کی رو سے اصلاح اور اقامت دین کی اساس ہے تعلیم و تربیت۔ تعلیم قرآن کی اور حکمت کی اور نفس انسانی کی ایسی تربیت کہ اس کے لیے احکام الٰہی پر عمل اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنا آسان ہو جائے۔ قرآن حکیم کی تعلیم تو واضح ہے کہ اس میں تلاوت، تجوید، ترجمہ، تفسیر، تفہیم سب شامل ہیں۔ حکمت سے مراد یہ ہے کہ جن دیگر علوم کی انسانی معاشرے کو ضرورت پڑتی ہے جیسے علم معیشت، سیاست، تاریخ، طب، ہندسہ...... وغیرہ وہ بھی قرآن کے مطابق ہوں اور اس کے خلاف نہ ہوں اور ان دونوں طرح کی تعلیم (یعنی تعلیم کتاب وحکمت) کے دوران اور ان کے ذریعے نفس انسانی کا اس طرح تزکیہ کیا جائے اور اس کی ایسی تربیت کی جائے کہ انسان بحیثیت عبداللہ کی عبادت و اطاعت کرتے ہوئے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی تعلیم کتاب وحکمت کے مطابق گزارے تاکہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکے اور اس کی نعمتوں کا مستحق ٹھہر سکے۔

تعلیم کو اہمیت نہ دینے اور اسے دعوت و اصلاح کا ذریعہ نہ سمجھنے اور بنانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی نے تعلیمی ادارے قائم کرنے، انہیں اسلامی تناظر میں چلانے بلکہ انہیں دعوت و اصلاح کے مراکز بنانے کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ شعبۂ تعلیم میں نظری طور پر کرنے کا جو کام تھا اس کا نقشہ مولانا مودودیؒ کے ذہن میں واضح تھا (جیسا کہ ان کی کتاب 'تعلیمات' سے ظاہر ہے) لیکن جماعت نے اس نقشے کے مطابق تعلیمی اداروں کے قیام کو اپنی پہلی یا بنیادی ترجیح کبھی بنایا ہی نہیں بلکہ جیسا کہ مولانا عبدالغفار حسن مرحوم نے اپنی ایک تحریر میں اس کا ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ جنوبی پنجاب کے سردار لغاری نے تعلیمی ادارے کے لیے زمین مہیا کرنے کی پیش کش کی لیکن مولانا مودودیؒ کی سربراہی میں اس غرض کے لیے قائم کی گئی کمیٹی اس کے حق میں فیصلہ نہ کر سکی کیونکہ نعیم صدیقی صاحب کا موقف یہ تھا کہ ہمیں ایک تعلیمی ادارے کے قیام کے لیے اتنی محنت کی کیا ضرورت ہے، جب تحریک برسراقتدار آئے گی تو صحیح طرز پر کام کرنے والے تعلیمی اداروں کا جال بچھا دے گی۔ یہ فطری اور منطقی نتیجہ تھا سیاسی جدوجہد کو اقامت دین کا محور اور مرکزی نکتہ بنانے کا جس کی وجہ سے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کی بات پس پشت چلی گئی۔ راقم ایک دفعہ جب ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم سے تعلیم کی اہمیت پر گفتگو کر رہا تھا تو وہ تعلیم کے حق میں میرے بار بار کے دلائل سے زچ ہو کر کہنے لگے کہ ''نبی کریم ﷺ نے کتنے سکول قائم کیے تھے؟'' ظاہر ہے اس فہم دین اور فہم پیغام رسالت کا جواب سوائے سر پیٹنے اور کڑھنے کے اور کیا ہو سکتا تھا؟ لیکن یہ منطقی

نتیجہ تھا 'اقامت دین بذریعہ سیاسی جدوجہد' کو اپنا لائحہ عمل بنانے کا۔

دوسرے یہ کہ دعوت وتبلیغ، تعمیر فرد، اصلاح معاشرہ اور انقلاب امامت کے لیے جو کام بھی کیا جائے اس میں یہ پیش نظر رکھنا ضروری تھا کہ ہمارے عہد کا فتنہ اور چیلنج مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب ہے۔ امت کے زوال کا داخلی سبب اگر ایمان کی کمزوری اور اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے تو اس کا خارجی سبب اسلام اور مسلمان دشمن مغربی طاقتیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو زوال کے گڑھے میں دھکیلنے کے لیے ہر طرح کی سازشیں اور تخریبی کاروائیاں کیں، مسلم ممالک پر قبضہ کر کے ان کے وسائل کو لوٹا اور ان کے تعلیمی، معاشرتی، سیاسی، قانونی......ڈھانچے کو منہدم کر کے سارے نظام زندگی کی مغربی فکر وتہذیب کے مطابق تشکیل نو کی اور اسے مسلم معاشرے پر بجبر واکراہ ٹھونس دیا اور جب بیسویں صدی کے وسط میں دو عظیم جنگوں کے نتیجے میں اس کی گرفت مسلم ممالک پر کمزور پڑی تو وہ انہیں بظاہر آزادی دینے پر مجبور ہو گیا لیکن اس کے باوجود اس نے کوشش کی کہ زمام اقتدار اس کے تیار کردہ سیاستدانوں، بیوروکریسی اور دوسرے طبقوں کے ہاتھ میں رہے۔ لہٰذا آج کوئی بھی دینی جماعت یا تحریک اگر غلبۂ دین چاہتی ہے تو وہ مسلم ممالک میں مغربی فکر وتہذیب کے غلبے کے خواہاں افراد وطبقات کی اصلاح یا انہیں زیر کیے بغیر ایسا نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اقامت دین کی علم بردار کوئی بھی جماعت آج حقیقی معنوں میں غلبۂ اسلام کے لیے کوئی موثر کوشش نہیں کر سکتی جب تک وہ مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب کا مقابلہ نہ کرے اور اسے علمی، فکری اور تہذیبی میدان میں شکست سے دوچار نہ کرے۔

مولانا مودودیؒ کو مغربی تہذیب کے اس چیلنج کا بخوبی اندازہ تھا چنانچہ قیام جماعت سے لے کر قیام پاکستان تک کی ان کی تحریریں اس کی گواہ ہیں۔ انہوں نے اسے جاہلیت خالصہ قرار دیا اور مغربی فکر پر تابڑ توڑ حملے کیے جو ان کی کتاب 'تنقیحات' میں موجود ہیں لیکن جب انہوں نے قیام پاکستان کے بعد انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو انہیں پہلے قدم پر ہی مغربی تہذیب سے مفاہمت کرنا پڑی اور مغرب کی لادین سرمایہ دارانہ جمہوریت کو، اس میں چند اسلامی اصول داخل کرنے کے بعد، قبول کرنا پڑا۔ ان کا یہ قدم مغربی وفکر وتہذیب سے مفاہمت کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا اور اس کے نتیجے میں پھر زندگی کے ہر شعبے میں مغربیت یعنی سیکولرزم، کیپٹل ازم اور دوسرے سارے ازم دندناتے ہوئے پاکستانی مسلمانوں کی زندگی میں داخل ہو گئے اور آئین، قانون، تعلیم، میڈیا، تجارت، معیشت، معاشرت غرض زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کر گئے اور اسلامی قوتیں دیکھتی رہ گئیں بلکہ عوام تو رہے ایک طرف یہ ایک خوفناک اور شرمناک لیکن ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلامی تحریکوں کے کارکن بھی اس سیلاب میں بہ

گئے اور مغربیت کی طاقتور لہر کا مقابلہ نہ کر سکے۔

ہمارا موضوع چونکہ اس وقت تعلیم ہے لہٰذا ہم اس حوالے سے بات کریں گے کہ شعبۂ تعلیم پر اس کا یہ اثر پڑا کہ اسلامی تحریکوں کے کارکن اور ہمدرد بھی تعلیم کی کمرشلائزیشن میں شریک ہو گئے اور انہوں نے تعلیم کو دعوت و اصلاح کا ذریعہ (Tool) بنانے کی بجائے اسے مالِ تجارت قرار دے دیا لہٰذا اب اس تجارت اور کاروبار میں تحریک اسلامی کے افراد سکول، کالج اور یونیورسٹیاں چلا رہے ہیں اور معاف کیجیے گا، مغربی فکر و تہذیب کو پروموٹ کر رہے ہیں۔ یہ مغربی فکر و تہذیب پر مبنی نصاب پڑھاتے ہیں، ویسے ہی اساتذہ رکھتے ہیں، ان کے ہاں بھی انگلش میڈیم ہے، ان کے ہاں بھی برطانوی نظام کے تحت او و اے لیول کے امتحانات ہیں، ان کے ہاں بھی آکسفورڈ کی کتابیں ہیں، ان کے ہاں بھی مخلوط تعلیم ہے، ان کے ہاں بھی انگریزی لباس لازمی ہے اور ان کا ماحول بھی اسی طرح مغرب زدہ ہے جس طرح دوسرے مغرب زدہ تعلیمی اداروں کا ہے یوں کار طفلاں تمام خواہد شد۔

اس وقت تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کے ’اقامت دین بذریعہ سیاسی جدوجہد‘ کو لائحہ عمل بنانے اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کے اصول کو نہ اپنانے کا منطقی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ فرد کی تعمیر شخصیت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے تعلیم و تربیت کے کردار کا اہم ہونا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے، حالانکہ جب تک فرد نہ بدلے اور معاشرے کی اصلاح نہ ہو، سیاسی نظام بدل ہی نہیں سکتا خواہ جدوجہد انتخابی ہو یا انقلابی۔ تبدیلی کی بنیاد فرد ہے اور فرد کے ذہن وقلب کو بدلنے میں تعلیم و تربیت (غیر رسمی تعلیم اور میڈیا بھی اس کا ایک حصہ ہے) کے کردار کی نفی کرنا عقل وفہم سے بعید ہے۔ جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی کو چاہیے کہ اپنی ناکامیوں سے سبق سیکھیں اور اپنی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لیے ہماری اس مخلصانہ و ہمدردانہ درخواست پر غور فرمائیں کہ اقامت دین کے لیے قرآن حکیم کے نسخۂ ’تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ‘ کو اپنے لائحہ عمل کی بنیاد بنانا ضروری ہے۔

’تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ‘ کے اصول پر آج تعلیمی ادارے کس طرح قائم کیے جائیں اور انہیں دعوت دین، تعمیر فرد اور اصلاح معاشرہ کے مراکز کیسے بنایا جائے؟ اس سوال کا جواب ہم ایک اور جدید دینی تحریک ’تبلیغی جماعت‘ کے تعلیمی کردار کا ذکر کرنے کے بعد اس مضمون کے آخر میں دیں گے، ان شاء اللہ۔

تبلیغی جماعت

تبلیغی جماعت غالباً ہمارے عہد کی سب سے بڑی دینی تحریک ہے اور ان معنوں کامیاب ہے کہ جو پیغام لے کر وہ اُٹھی ہے وہ اسے ساری دنیا میں پھیلا رہی ہے اور جو تبدیلی وہ اپنے کارکنوں میں لانا

چاہتی ہے وہ بھی اکثر و بیشتر ان میں آجاتی ہے۔فرد پر ترکیز جماعت کی ترجیح ہے جو اپنی جگہ صحیح اور قابل تعریف ہے۔اس کا طریق کار بھی بہت عمدہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان کے کام کاج اور گھر بار سے باہر نکال کر اپنے ماحول میں لے آتی ہے اور اکثر ان پر اپنا رنگ چڑھانے میں کامیاب رہتی ہے۔اس کام میں اس کا ہتھیار دعوت و تبلیغ ہے جس کا صحیح اور موثر ہونا ظاہر و باہر ہے۔تاہم جس پس منظر میں ہم بات کر رہے ہیں اس میں تبلیغی جماعت کا کام نہ ہونے کے برابر ہے۔تبلیغ اپنی جگہ صحیح بھی ہے اور اہم بھی لیکن سوال یہ ہے کہ تبلیغ کس چیز کی اور کس مقصد کے لیے؟

ہماری رائے میں اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں پیغمبروں اور خصوصاً آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے طریق کار کے حوالے سے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ وہ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس ہے لیکن تبلیغی جماعت نہ تعلیم کتاب کی طرف آتی اور بلاتی ہے اور نہ تعلیم حکمت کی طرف اور نہ ان دونوں کے تناظر میں تزکیۂ نفس کی طرف۔تصور دین کے اس نقص کے نتیجے میں لوگوں کا جو تزکیہ اور تربیت ہوتی ہے وہ بھی جزوی اور ناقص رہ جاتی ہے اور وہ متوازن شخصیت نہیں ابھرتی جو دین و دنیا دونوں کی جامع ہو اور نہ وہ ایسا متوازن فرد تیار کر پاتی ہے جیسا کہ آں جناب ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی صورت میں تیار کر کے دنیا کو دکھایا تھا۔

یوں تبلیغی جماعت کی خوبیاں اپنی جگہ لیکن تعلیم کتاب و حکمت کا لحاظ نہ رکھنا اور اسے ذریعۂ دعوت کے طور پر استعمال نہ کرنا اور معاشرے و ریاست کی ضروریات و کردار کی رعایت نہ کرنا اور مغربی فکر و تہذیب کے چیلنج اور خطرے کا ادراک نہ کرنا ایسے عوامل ہیں جنہوں نے تبلیغی جماعت کے تیار کردہ افراد کے معاشرے و ریاست پر اثر انداز ہونے کے عمل کو گہنا دیا ہے بلکہ وہ ایسا فرد تیار ہی نہیں کر پاتی جو دین و دنیا دونوں کا جامع ہو اور عصر حاضر کی ضروریات و تحدیات کے سامنے متوازن انداز میں سینہ سپر ہو سکے۔

یہاں یہ ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ تبلیغی جماعت سے متعلق کئی لوگوں نے سکول اور کالج کھول رکھے ہیں لیکن وہ اسی طرح کے ہیں جیسے کہ ہمارے معاشرے میں دوسرے تعلیمی ادارے ہیں یعنی تجارت کے لیے کھولے گئے سکول کالج جو مغربی فکر و تہذیب کے مطابق کام کر رہے ہیں اور کوئی اسلامی کردار نہیں رکھتے۔تبلیغی جماعت اور اس کے بعض احباب دینی مدارس بھی چلاتے ہیں لیکن وہ مدارس بھی اسی طرح کے ہیں جیسے کہ ہمارے ملک میں روایتی طور پر موجود ہیں جو ایسا دینی نصاب پڑھاتے ہیں اور ایسا فرد تیار کرتے ہیں جو عصر حاضر کی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتا، عصری چیلنجز کا جواب دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور

نہ دنیاوی علوم اور مہارتوں کا حامل ہوتا ہے۔

عصر حاضر کی تین تحریکوں جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور تبلیغی جماعت کے تعلیمی حوالے سے کردار کا ذکر کرنے کے بعد اب ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ کچھ اصلاحی تجاویز پیش کریں اور ان دینی جماعتوں کی قیادت کی خدمت میں عرض کریں کہ وہ ہماری مخلصانہ معروضات پر ہمدردانہ غور فرمائیں کیونکہ ہم ان دینی جماعتوں کی خدمات کے معترف ہیں اور اس تجزیے سے مقصود ان پر تنقید کرنا نہیں بلکہ ان کو توجہ دلانا ہے کہ وہ تعلیم کی اہمیت کو محسوس کریں اور اسے دعوت و اصلاح کے ایک ذریعہ (Tool) کے طور پر استعمال کریں تا کہ وہ اپنے پیش نظر امت کی اصلاح اور اسلامی انقلاب کے مقاصد بہتر طور پر حاصل کر سکیں۔

اصلاحی تجاویز

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ تعلیم کا معاملہ بہت اہم ہے اور اصلاح و انقلاب کے لیے تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس کا فارمولہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور اس پر عمل بہت ضروری ہے کیونکہ امام مالکؒ کے قول کے مطابق اس امت کے آخر کی اصلاح اسی نسخے سے ہوگی جس سے اس کے پہلوں کی اصلاح ہوئی تھی یعنی تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیم کو بنیاد بنایا جائے۔ دیگر علوم کی تعلیم بھی اسی کے تناظر میں دی جائے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت اور تزکیۂ نفس کا کام بھی قرآنی تناظر میں کیا جائے تا کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق بسر کر سکیں اور آخرت میں اس کی خوشنودی سے متمتع ہو کر کامیاب ہو سکیں۔ اور لاریب وہاں کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔

اس کے بعد ہمیں اب آخر میں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ تعلیم کو کس طرح اسلامی دعوتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے کہ اس سے اسلامی تناظر میں تعمیر فرد کا کام لیا جا سکے جو اصلاح معاشرہ اور اصلاح ریاست (یا بعض دینی جماعتوں کی اصطلاح میں غلبۂ دین اور اسلامی انقلاب لانے میں) اپنا کردار ادا کر سکے۔ ہماری رائے میں اس کے لیے جو اقدامات درکار ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق تعلیم کے فلسفے اور حکمت عملی سے ہے اور کچھ کا انتظامی امور سے۔ ہم ان دونوں کا یہاں مجمل ذکر کریں گے کہ ان پر تفصیلی بحث ہماری کتابوں میں موجود ہے اور البرہان میں بھی ہوتی رہتی ہے۔

تعلیمی امور

۱۔ تعلیمی ثنویت کا خاتمہ کیا جائے کیونکہ اسلام میں دین و دنیا کی تفریق کا تصور موجود ہی نہیں لہٰذا جدید یا عمومی تعلیم کی مذہبی تعلیم و تربیت سے اور مذہبی تعلیم کی جدید عصری علوم وفنون سے مغایرت اور

لاتعلقی صحیح نہیں ہے۔ اگر چہ انتظامی ضرورت کے تحت عام تعلیم اور مذہبی تعلیم میں تخصص کے ادارے الگ الگ ہو سکتے ہیں لیکن ان میں معنوی تفریق اور تعلیمی لحاظ سے مغایرت نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس وقت جدید عصری تعلیم اور دینی مدارس کی تعلیم کا ڈھانچہ چونکہ الگ الگ کام کر رہا ہے اس لیے ہم مجبوراً دونوں کے لیے الگ الگ اصلاحی تجاویز کا خاکہ پیش کریں گے۔

جدید تعلیم

۲۔ جدید/عصری/عمومی تعلیم کو مغربیت کے برے اثرات سے پاک کیا جائے اس کے لیے مندرجہ ذیل عوامل کا ترک ضروری ہے:

انگریزی ذریعۂ تعلیم (البتہ مناسب تعلیمی مرحلے پر انگریزی زبان پڑھانے میں کوئی ہرج نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اسے آپشنل (اختیاری) قرار دیا جائے کہ جو پڑھنا چاہے، پڑھ لے۔ البتہ ہماری رائے میں علماء کرام کو انگریزی ضرور پڑھنی چاہیے)، بلاد کفار کے زیر نگرانی امتحانات (جیسے او اور اے لیول)، غیر مسلم اور غیر پاکستان مصنّفین کی مرتب کردہ نصابی کتابیں (جیسے آکسفورڈ کی)، مخلوط تعلیم، مغربی لباس پر مبنی یونیفارم اور ہم نصابی سرگرمیاں جیسے ٹیبلو، فیشن ویک......وغیرہ۔

۳۔ جدید تعلیم کو اسلامی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے جس کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جانے ضروری ہیں:

ا: قرآن وسنت کی نصوص وتعلیمات کو نصاب کا موثر حصہ بنایا جائے، عربی زبان کو سکولوں میں آسان انداز میں پڑھایا جائے اور اسلامیات کے نصاب کو وسیع، موثر اور جامع بنایا جائے۔

ب: سماجی اور عمرانی علوم کے نصابات کی تدوین نو اسلامی تناظر میں کی جائے۔

ج: سائنسی علوم وفنون کا اسلوب اور لہجہ اسلامی تقاضوں کے مطابق بدلا جائے۔ اس ضمن میں صرف ترقی یافتہ مغربی علوم وفنون کی پیروی تک محدود نہ رہا جائے بلکہ ذہین مسلم طلبہ کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے تاکہ وہ ایجاد واکتشاف میں دوسروں سے آگے نکل سکیں۔

د: دینی تعلیم کا عنصر اتنا موثر ہو کہ وہ ایمان کی آبیاری کرے، کلاس روم اور سکول میں اسلامی تعلیمات پر عمل کی پریکٹس کی جائے تاکہ بچوں میں ایسی عادات واطوار پروان چڑھیں کہ وہ کل کے باعمل مسلمان بن سکیں اور زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق بسر کر سکیں (یعنی تربیت وتزکیہ)۔

ھ: اساتذہ کی ایسی تربیت کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو طلبہ کے سامنے بطور اسلامی ماڈل پیش کر

سکیں اور طلبہ کی اسلامی تربیت ان کی بنیادی ذمہ داری ہو۔

و: سکول انتظامیہ تعلیمی ادارے کا ماحول تعلیمی سرگرمیوں اور متنوع ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ وطالبات کے لیے ایسا بنائے جس میں ان کی صلاحیتوں کو نموء ملے، ان کے اندر تعمیری رویے پروان چڑھیں، اسلامی اصول واقدار پر عمل کی انہیں ترغیب اور تربیت ملے تا کہ آئندہ عملی زندگی میں وہ باعمل مسلمان بن سکیں۔

دینی مدارس کی تعلیم

ا- دینی مدارس کے علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ دینی مدارس دینی تعلیم کے تخصص کے ادارے ہیں۔اس صورت میں انہیں مندرجہ ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے:

ا: دینی مدارس میں تو چند ہزار یا چند لاکھ طلبہ پڑھتے ہیں سوال یہ ہے کہ جو کروڑوں بچے جدید تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کی اسلامی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار کون ہے؟ ہماری اکثر حکومتیں اپنی اسلامی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کرتی ہیں لہٰذا علماء کرام اور دینی جماعتوں سے سوال یہ ہے کہ وہ ان کروڑوں طلبہ کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے کیا کر رہی ہیں؟

ب: سطور بالا میں ہم نے جدید تعلیم کے ضمن میں ان خرابیوں کا ذکر کیا ہے جو مغربی تہذیب کی اندھی پیروی کے نتیجے میں اس میں پیدا ہوگئی ہیں سوال یہ ہے کہ ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے دینی جماعتیں اور علماء کرام کیا کر رہے ہیں؟ اسی طرح ہم نے جدید تعلیم کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کے لیے سطور بالا میں متعدد اقدامات کا ذکر کیا ہے۔ان اقدامات کو بروئے کار لانے کے لیے دینی جماعتوں اور علماء کرام کا کردار کیا ہے؟

ج: دینی مدارس کا عمومی تعلیمی ڈھانچہ (ثانویہ عامہ، ثانویہ خاصہ، عالیہ اور عالمیہ) کل ۸ سال کا ہے مدرسے میں داخل ہونے سے پہلے جو ۸ سال کی ابتدائی تعلیم ہے، علماء کرام اور دینی جماعتوں نے اس کا کیا انتظام کیا ہوا ہے کہ وہ مطابق اسلام ہو اور اسلامی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرے اور اسلامی ذہن سازی کرے اور اسلامی شخصیت پیدا کرے کیونکہ یہ دورانیہ بہت اہم ہوتا ہے کہ اسی دوران شخصیت کی فکری وعملی بنیادیں رکھی جاتی ہیں اور عادتیں پختہ ہوتی ہیں۔اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہمارے ملک کی مروجہ جدید تعلیم، جیسا کہ ہم نے ابھی کہا، مغرب زدہ ہے اور مغرب زدہ اذہان وکردار کی تشکیل کرتی ہے اور اسلامی تقاضے کماحقہ پورے ہی نہیں کرتی لہٰذا اس کی اسلامائزیشن کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔سوال یہ ہے کہ اس مرحلۂ تعلیم کی اسلامائزیشن کے لیے علماء

کرام اور دینی مدارس نے آج تک کیا کیا ہے؟

د : اور خود ۸ سالہ درس نظامی بھی قابل نظر ثانی ہے۔ اس میں سیرت النبی اور سوانح کا حصہ کم ہے، مسلمانوں کی تاریخ اور جغرافیہ عنقا ہے، آج کل کے مروّجہ مغربی فلسفے کی بجائے قدیم یونانی فلسفہ پڑھایا جاتا ہے۔ عربی زبان سکھانے کا انداز پرانا ہے اور کتابیں بھی صدیوں پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔ اردو اور انگریزی زبان وادب زیر مطالعہ ہی نہیں آتے، فقہ اور اصول فقہ کا تقابلی مطالعہ نہیں کرایا جاتا۔ قرآن وحدیث اور دیگر اسلامی علوم اس طرح پڑھائے جاتے ہیں کہ وہ عصری اسلامی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے مثلاً اسلام کا معاشی نظام، سیاسی نظام، قانونی نظام، معاشرتی نظام، تعلیمی نظام اور اسلامی تہذیب و تمدن جیسے مضامین بھی پڑھائے جانے چاہئیں۔ مغربی فکر وتہذیب کا تعارفی وتنقیدی مطالعہ لازماً شامل نصاب ہونا چاہیے۔

اور سب سے بڑھ کر ظلم یہ کہ یہ ساری دینی تعلیم اپنے اپنے فقہی مسلک کے تحت دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں مسلک دین بن کر طلبہ کے ذہن میں جم جاتا ہے اور فرقہ واریت پروان چڑھتی ہے لہٰذا اس طریق تدریس پر نظر ثانی بھی ضروری ہے۔

۸ سالہ درس نظامی کے بعد تخصص کی تعلیم بھی محتاج نظر ثانی ہے۔ تخصص عموماً فقہ کا کرایا جاتا ہے اور وہ بھی قدیم انداز میں؛ جب کہ اسے متعلقہ مضمون کے وسیع مطالعے تک محدود کرنے کی بجائے تحقیق اور تقابلی مطالعے پر مبنی ہونا چاہیے۔ نیز تخصص سارے اسلامی علوم میں ہونا چاہیے مثلاً قرآن، حدیث، اسلامی معیشت، تعلیم، تاریخ، فلسفہ......وغیرہ

ھ : ملک میں سکولوں اور اعلیٰ تعلیم کی معادلت کے ادارے موجود ہیں۔ دینی مدارس اپنے نصاب میں ایسی مناسب تبدیلیاں کر کے جو نہ دینی تعلیم کے لیے نقصان دہ ہوں اور نہ غیر اسلامی ہوں، اپنی ڈگریوں کو حکومت سے منظور کرائیں اور یہ اتنا اہم معاملہ ہے کہ سارے وفاق اور ساری دینی جماعتیں مل کر زور لگائیں بلکہ اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنائیں تو ان شاء اللہ ان کی ڈگریاں منظور ہو جائیں گی۔

اس کے کئی عظیم الشان فائدے ہوں گے ایک تو یہ کہ دینی مدارس کے فضلاء معاشرے اور ریاست کے مختلف اداروں میں نفوذ کر سکیں گے اور ان پر اسلامی حوالے سے اثر انداز ہو سکیں گے۔ دوسرے یہ کہ فضلاء کے لیے مدارس ومساجد کے علاوہ اکتساب رزق کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس سے دینی مدارس کی طرف لوگوں رجوع زیادہ ہو جائے گا اور ذہین اور کھاتے پیتے گھرانوں کے

بچے اس طرف آنا شروع ہو جائیں گے۔ نیز تعلیمی ثنویت کی وجہ سے دین و دنیا کی موجودہ تقسیم اور مسٹر اور مولوی کی تفریق ختم ہو جائے گی، معاشرے میں ہم آہنگی بڑھے گی اور عام لوگوں کا رجحان دین کی طرف زیادہ ہو جائے گا۔

عمل درآمد کا طریقہ کار

موجودہ تعلیمی اداروں (جدید تعلیم اور دینی مدارس دونوں) کی اصلاح کی سعی کے ساتھ ساتھ ایسے نئے رول ماڈل تعلیمی ادارے قائم کرنے چاہئیں، سکول تا یونیورسٹی، جو مذکورہ بالا خامیوں سے پاک ہوں۔ بہتر ہوگا کہ ان میں جدید اور دینی تعلیم دونوں کا انتظام ہو تا کہ وحدت تعلیم کا تصور جڑ پکڑ سکے اور ثنویت کے غیر اسلامی تصور کا بتدریج خاتمہ ہو جائے۔ اس طرح کے چند رول ماڈل دینی مدارس اور سکول کالج جب وجود میں آ جائیں گے تو چونکہ لوگوں کے سامنے ایک مثال ہوگی لہٰذا توقع ہے کہ موجودہ مغرب زدہ طرز کے سکول اور موجودہ نصاب و نظام والے دینی مدارس قائم کرنے کا سلسلہ آہستہ آہستہ کم ہو جائے گا اور تعلیم کو متوازن اسلامی اہداف کے لیے استعمال کرنے کا رجحان جڑ پکڑ لے گا، ان شاء اللہ۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ پاکستان میں پرائیویٹ سیکٹر میں مجوزہ اسلامی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ سیکولر ذہن کے لوگ بھانت بھانت کے مغرب زدہ تعلیمی ادارے اور Chains قائم کر رہے ہیں اور وہ کامیابی سے چل رہے ہیں تو دینی جماعتوں اور اداروں کا ہاتھ کون پکڑے گا کہ وہ اپنے نقطۂ نظر سے کام نہ کریں۔ ضرورت صرف نیت، عزم، ارادے اور عملی اقدامات کرنے کی ہے۔

حرفِ آخر

جدید دینی تحریکوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ تعلیم کے مسئلے کو ہلکا نہ سمجھیں۔ یہ لوگوں کے اذہان و قلوب کو بدلنے اور انہیں اچھا مسلمان بنانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے لہٰذا انہیں چاہیے کہ موجودہ نظام تعلیم و تربیت کی اصلاح کریں اور اسے اپنے دینی اہداف کے لیے بطور وسیلہ اور ذریعہ استعمال کریں۔

ہم آخر میں پھر جدید دینی تحریکوں، ان کے قائدین اور ان کے پر جوش حمایتیوں اور کارکنوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری مذکورہ بالا گزارشات کا مطلب ان جماعتوں پر تنقید و تنقیص یا ان کی مخالفت اور ہوا خیزی نہیں ہے بلکہ ان سطور کا محرک ان جماعتوں سے ہماری محبت، اخلاص اور ان کی خیر خواہی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ دینی تحریکیں مزید موثر اور کامیاب ہوں تا کہ پاکستانی معاشرہ اور امت مسلمہ دین پر

عامل ہو جائے، مسلمانوں کی دنیا و آخرت سنور جائے اور وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

تعلیم و تربیت

پروفیسر مقصود احمد ☆

پروفیسر حضرات کے نام ۔ ایک اہم پیغام

آپ جامعات کے رئیس و دیگر بڑے ذمہ داران مثلاً ڈین وغیرہ ہیں، جامعات کے شعبہ جات کے صدور اور جامعات کے پروفیسر صاحبان ہیں، ڈگری کلاسوں کے اساتذہ کرام، اکیڈیمک عہدوں کے ذمہ داران، اکیڈیمک کونسلوں کے ارکان اور اسلامی علوم کے تحقیقی مراکز کے ذمہ داران اور شرکائے کار ہیں۔

آپ ماشاءاللہ، اللہ کے ایسے نیک طینت بندے ہیں جو:

۱۔اللہ کے مزید نیک بندے بنانے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

۲۔اللہ تعالیٰ کا اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام و پیغام اپنے زیر تعلیم انسانوں کو منتقل کرنے کے خواہاں ہیں۔

۳۔اپنے فرائض کی ادائیگی کا دوسرے جہاں میں بھی بہتر اجر چاہتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا تقاضا بہتر طریقے سے ادا کرنا چاہتے ہیں۔

۵۔ اپنے بعد اجر کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۶۔ اپنے رب کے سامنے اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی میں کیے جانے والے محاسبے سے بچنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

تعلیم کے قومی مقاصد

آپ ماشاءاللہ تعلیم کے قومی مقاصد سے بخوبی واقف ہیں۔ان مقاصد کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

الف۔خصوصی مقاصد یا تہذیبی مقاصد

ب۔ عمومی مقاصد یا تمدنی مقاصد

☆ پرنسپل (ر) گورنمنٹ گورڈن کالج، راول پنڈی

خصوصی یا تہذیبی مقاصد

یہ وہ مقاصد ہیں جو کسی خاص قوم، ملک یا افراد کے گروہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ مقاصد بنیادی اور اہم نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ کسی قوم کی پہچان ہوتے ہیں اور کسی قوم کی بقا کا انحصار ان کی نئی نسل تک منتقلی میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان کے قومی مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ نئی نسل کو تحریک پاکستان، قیام پاکستان اور نظریہ پاکستان سے شعوری طور پر آگاہ کرنا اور آگاہ رکھنا۔

۲۔ نئی نسل میں اسلام کے ساتھ وابستگی پیدا کرنا۔

۳۔ نئی نسل کو اسلامی اقدار حیات سے روشناس کرانا۔

۴۔ نئی نسل کو اسلامی تصورات کے مطابق عملی صورت میں ڈھالنا۔

۵۔ ملک کے اندر ایسا ماحول پیدا کرنا کہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا انتہائی آسان اور غیر اسلامی زندگی بسر کرنا انتہائی دشوار ہو جائے۔

۶۔ اندرونی اور بیرونی سازشوں، خطروں اور حملوں سے اسلامی نظریے کی حفاظت کرنا۔

۷۔ ایسا نظام تعلیم و نظام ابلاغ رائج کرنا جس کے ذریعے تمام قوم اسلامی نظریہ حیات، اس کی اقدار و روایات سے آگاہ ہو سکے، اس پر عمل پیرا ہو سکے اور غیر اسلامی نظریات و افکار اور اقدار و روایات سے محفوظ و مامون رہ سکے۔

۸۔ اسلامی نظامِ حیات کو اپنے قریب و جوار میں پھیلایا جا سکے۔

۹۔ اسلامی نظریۂ حیات کا ہر قسم کے حملوں سے تحفظ کا اہتمام کیا جائے، خواہ وہ ثقافتی یلغار کی صورت میں ہو، اقتصادی شکنجے کی صورت میں ہو اور جاسوسی کے نظام کی صورت میں یا فوج کشی کی صورت میں ہو۔

۱۰۔ زندگی کے جملہ شعبہ جات میں اسلام کی فکری اور عملی حکمرانی قائم کرنا اور قائم رکھنا۔

عمومی مقاصد یا تمدنی مقاصد

عمومی یا تمدنی مقاصد وہ ہوتے ہیں جو اس بات کی تخصیص نہیں کرتے کہ کون سی قوم ہے؟ بلکہ وہ ایسے مقاصد ہوتے ہیں جو ہر قوم کی زندگی اور بقا کے لیے ضروری ہوتے ہیں مثلاً:

۱۔ قوم کے افراد کے وسائل کی نشوونما کا اہتمام کرنا۔

۲۔قوم کے افراد کے رویوں میں اصلاح کا نظام قائم کرنا۔

۳۔قوم میں یکجہتی پیدا کرنا اور اس کو فروغ دینا۔

۴۔قوم کو وقت کے تقاضوں کے مطابق تیار کرنا۔

۵۔ قوم کی صلاحیتوں کو زندگی کے جملہ شعبوں میں دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی سطح پر لانے کا انتظام کرنا۔

۶۔قوم کی جملہ ضروریات کی فراہمی کا انتظام کرنا۔

۷۔قوم کو اپنے مسائل خود حل کرنے کے قابل بنانا۔

۸۔ قوم کی جملہ ضروریات میں خود کفالت اور خود انحصاری کی سطح پر لانے کی منصوبہ بندی کرنا۔

۹۔ قوم کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ کرنا۔

۱۰۔الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ہلاکت خیز اثرات کا شعور بیدار کرنا اور ان سے حفاظت کا موثر دفاعی اور جارحانہ نظام تیار کرنا۔

پیغام

آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ

علوم اور معاشرے کی اسلامی تشکیل نو کی جدوجہد کریں۔اس کے لیے ضروری ہے:

۱۔ قرآن اور متعلقہ مضمون/شعبے کا مطالعہ کرنا۔

۲۔حدیث اور متعلقہ مضمون/شعبے کا مطالعہ کرنا۔

۳۔اسلامی تاریخ اور مسلمانوں کی تاریخ سے مضمون/شعبے کی مثالیں جمع کرنا۔

۴۔مضمون/شعبے کی سرمایہ دارانہ بنیادیں جاننا۔

۵۔اب تک ہونے والے کام کو یکجا کرنا۔

۶۔ مضمون رشعبے کی اسلامی اساسیات تیار کرنا۔

۷۔ مضمون رشعبے کی تدریس کا اسلامی تصور تشکیل دینا۔

۸۔ مضمون رشعبے کی تدریس کے اسلامی مقاصد ترتیب دینا۔

۹۔ مضمون رشعبے کی تدریس کے مقاصد حاصل کرنے کے ذرائع معلوم کرنا۔

۱۰۔ اب تک ہونے والی جدید ترین تحقیق اور اس کے بنی نوع انسان پر اثرات کا مطالعہ کرنا۔

۱۱۔ ان اثرات کا رُخ بنی نوع انسان کی خیر و فلاح کی طرف موڑنے کے طریقے تجویز کرنا۔

۱۲۔ مضمون رشعبے سے متعلق پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ہلاکت خیز اثرات کا شعور بیدار کرنا،

ان سے حفاظت اوراُن کے خلاف جارحانہ نظام تیار کرنا۔

میڈیا امان سلیمان، نیویارک

امریکی میڈیا۔اسلام دشمن

امریکی میڈیا پرچار کرتا ہے کہ مسلمان بڑے انتہا پسند ہوتے ہیں، تہذیب سے عاری ہوتے ہیں ،کسی ایک کا بدلا دوسرے سے لیتے ہیں۔ تحقیق نہیں کرتے۔ غیر ذمہ دار ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن امریکی میڈیا اور حکمرانوں نے امریکیوں کو کیا بنادیا ہے، اس کا اندازہ اب پڑھے لکھے امریکیوں کے روّیہ سے بھی ہوتا ہے۔ ویسے یہ پتا نہیں کہ امریکا میں پڑھے لکھے کا معیار کیا ہے؟ پاکستان میں منہ ٹیڑھا کر کے انگریزی بولنے والے کو پڑھا لکھا سمجھ لیا جاتا ہے؟ لیکن امریکا میں تو بچہ بچہ انگریزی بولتا ہے اور خوب منہ ٹیڑھا کر کے بولتا ہے بلکہ انگریزی ہی کو ٹیڑھا کر ڈالتا ہے، پھر بھی روشن خیال کہلاتا ہے۔

یہ اتنی لمبی بات یوں کہی کہ چند روز قبل امریکی میڈیا اور حکومت کے پروپیگنڈے کے زیر اثر چند مشتعل نوجوانوں نے کولمبیا یونیورسٹی کے ایک اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر پربھ جوت سنگھ کو سرعام اسامہ بن لادن کہہ کر مار مار کر زخمی کر دیا۔ بات صرف یہ تھی کہ سکھ پروفیسر نے پگڑی باندھی ہوئی تھی اور لمبی سی ڈاڑھی تھی، بس یہی اس کا گناہ تھا۔ اگر یہی حرکت پاکستان میں ہوجاتی ......کوئی امریکی کوئی گورا، خواہ اٹلی کا ہو یا جرمنی کا، اگر اس کی شکل بش سے ملتی ہو اور کچھ مسلمان بش کہہ کہہ کر مارتے اور زخمی کر دیتے تو ساری ''مہذب دنیا'' اٹھ کھڑی ہوتی کہ یہ کوئی طریقہ نہیں، یہ انتہا پسندی ہے۔ بھلا بش سے شکل ملنے پر کسی اور کو کیوں مارا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح کسی نام نہاد تنظیم نے امریکیوں، برطانویوں اور ناٹو ممالک کی وجہ سے پاکستان میں غیر مسلموں پر حملوں کا اعلان کیا اور پشاور کے چرچ پر حملے کو بھی اپنے سر لے لیا۔ ممکن ہے انہوں نے ہی یہ کیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کیا ہو۔ بہر حال اب تو یہی خبر ہے کہ طالبان کے کسی گروپ نے اس کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ لہٰذا ساری دنیا اور ہمارے اپنے میڈیا نے اس بہانے اسلام پر حملے شروع کر دیے۔ سب یہی تو کہہ رہے ہیں کہ چرچ پر حملہ بہیمانہ کارروائی ہے۔ یہ کوئی اسلام نہیں ...... ہر ٹاک شو میں چرچ پر حملے اور عیسائیوں پر مظالم کی بات کی جارہی ہے۔

ہاں یہ ظلم تو ہے......ناٹو کی کارروائیوں اور ڈرون حملوں کا بدلہ عام عیسائیوں سے لینا غلط ہے۔ اس پر شور مچانا احتجاج کرنا اور اعتراض کرنا بجا ہے لیکن ......کیا پاکستان میں نائن الیون کے جواب میں ڈرون حملے کرنا، لاکھوں عراقیوں کو صدام کے بارے میں جھوٹی اطلاعات پر قتل کر دینا، لاکھوں افغانوں کو طالبان

کے کسی نا کردہ یا کردہ گناہ کی پاداش میں بمباری کر کے ہلاک کر دینا صحیح ہے؟ اب بھی کسی جھوٹی اطلاع پر پاکستان میں ڈرون حملہ کر دیا جاتا ہے۔ پاکستان کے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے ٹی وی چینلز کے چھوٹے بڑے اینکرز سے درخواست ہے کہ اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ نہ مل جایا کریں بلکہ سیدھی صاف اور سچی بات کریں۔ کبھی ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی مسجد پر حملے کے بعد ملک بھر کی مساجد کے اماموں سے انٹرویو لیے جارہے ہوں اور ہر شہر کے احتجاجی مظاہرے کو دکھایا جارہا ہو......ایک مسجد کے سانحہ کو ایک سے دوسرے دن نہیں دکھایا جاتا لیکن عیسائیوں کے ساتھ ہونے والی دہشت گردی پر اب بھی مسلسل ایک ایک گھنٹہ کی نشریات ہو رہی ہیں اور اس بہانے اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کی جارہی ہے۔

ہم کوئی حکم نہیں لگا رہے اور فتویٰ نہیں دے رہے لیکن یہ حکم تو قرآن میں ہے کہ: ''جنت میں موجود کچھ لوگ، جہنم میں موجود لوگوں سے جب سوال کریں گے کہ تمہیں کس چیز نے اس حال کو پہنچایا تو وہ جواب دیں گے کہ ہم نمازیوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھلانے والوں میں نہیں تھے اور دین کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ مل کر دین کا مذاق اڑاتے تھے اور روز آخرت کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس یقینی چیز سے سابقہ پڑ گیا'' (سورہ مدثر)۔ اس ترجمے کے بعد تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔ تمام تجزیہ نگاروں، میڈیا ماہرین اور دین کا مذاق اڑانے والوں کو بس یاد دہانی کرانا مقصود ہے کہ جزا سزا کی گھڑی یقینی آئے گی اور ضرور آئے گی اور پھر کسی کی سفارش بھی نہیں چلے گی۔'' ہم منتظر ہیں کہ ہمارے میڈیا ماہرین کوئی ایک پروگرام ایسا بھی کریں جس میں امریکیوں کے اس رویہ اور امریکی میڈیا کی جانب سے زہریلے پروپیگنڈے کے نتائج اور سکھ پروفیسر کو محض داڑھی اور پگڑی کی وجہ سے تشدد کا نشانہ بنانے کے رویہ کو زیر بحث لایا جائے۔ اسلام کی جان چھوڑیے، حقائق پر بات کیجیے۔

ہماری سرگرمیاں

تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ کے دفتر ۳۸۹ نیلم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن میں روزانہ بعد نماز مغرب ترجمہ قرآن و عربی کلاس کا آغاز ہو چکا ہے۔

صدر تحریک ڈاکٹر محمد امین صاحب قرطبہ اسلامک سنٹر اسلام آباد میں ہر مہینے کی تیسری اتوار کو لیکچر دیا کریں گے۔ اس سلسلے کا پہلا لیکچر ۱۷ نومبر کو'اسلام اور مغربی تہذیب کا

چیلنج' کے موضوع پر ہوگا، ان شاء اللہ۔

میڈیا　　　　مدیر

پاکستانی میڈیا ۔ اسلامی اقدار کا دشمن

بی بی سی نے لاہور میں بچی سے زیادتی کے واقعہ کی ٹی وی چینلز پر غیر معمولی کوریج پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ویسے تو ۲۴ گھنٹے کا میڈیا سرکس اب پاکستانی عوام کے مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔ ہر خبر کو ڈرامائی بلکہ فلمی رنگ دے کر ریٹنگ بڑھانے کی کوشش میں اخلاقیات کی ایسی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں کہ بڑے بڑے بے ضمیر بھی شرما جائیں لیکن لاہور میں ۵ سالہ بچی سے زیادتی کو جس طرح میڈیا پر بیچنے کی کوشش کی گئی اس سے ایک مرتبہ پھر ذرائع ابلاغ کے ضابطہ اخلاق کے بارے میں بحث گرم ہوگئی ہے۔ وقوعہ کی رات سے شروع ہونے والے اس واقعے میں کم وبیش تمام چیلنز نے پہلے تو نہ صرف بچی اور اس کے والدین کی شناخت ظاہر کی بلکہ انٹرویوز تک نشر کر ڈالے۔ پھر ایک دوڑ شروع ہوگئی۔ کوئی پروگرام کرنے بچی کے رشتے داروں کے ہاں پہنچا تو کوئی خود معاملے کی تحقیقات کرنے لگا۔ کچھ چینلز نے اپنی اسکرینوں پر پی جی یعنی ''پروفیشنل گائیڈینس''، لکھنے کا تکلف ضرور کیا اور یہ اعلان بھی کیا کہ کمزور دل والے اور بچے اس خبر کو نہ دیکھیں لیکن خبر میں سنسنی خیزی کو کم نہ کیا گیا۔

یہ تو محض ایک مثال ہے جس پر ایک کافر ادارہ بھی چیخ اُٹھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ فحاشی وعریانی کو فروغ دینے میں ہمارے ٹی وی چینلز میں ایک دوسرے کو مات دینے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ حیاء وعفت جیسی اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں اور رقص وسرود اور ناچ گانا ہر چیز پر غالب آ گیا ہے۔ تلخ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اسلامی اقدار کی تباہی میں اور معاشرے میں اخلاقی بحران بڑھانے میں جتنا شرمناک کردار ہمارے میڈیا نے پچھلے دس سال میں ادا کیا ہے، کسی اور ادارے نے اتنا نہیں کیا۔ میڈیا پہلے اخلاقی انارکی پیدا کرتا ہے اور پھر جب کوئی حادثہ ہوجاتا ہے تو اسے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور اس کی بھرپور اشاعت کرتا ہے اور اسے بار بار گلیمرائز کر کے دکھاتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ لوگ جو مسلمان معاشرے میں فحاشی پھیلاتے ہیں ان کو دنیا وآخرت میں شدید عذاب دیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس واضح معصیت اور بے حمیتی کا ذمہ دار کون ہے؟ میڈیا مالکان؟ پروگرام بنانے اور پیش کرنے والے؟ میڈیا کے نگران ادارے؟ ہمارے حکمران؟ عدلیہ؟ دینی جماعتیں اور علماء کرام؟ سول سوسائٹی کے شرفا؟ ہماری رائے میں ہم سب اس کے ذمہ دار ہیں ہمیں نہ دنیا کی رسوائی

کا ڈر ہے اور نہ آخرت کا خوف ،جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم سب اس صورت حال کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کررہے ہیں۔اس کے خلاف کوئی احتجاج نہیں؟ کوئی پکٹنگ نہیں؟ کوئی تحریک نہیں؟

تذکرۂ اسلاف　　　　محمد حسین شمیم ☆

باتیں بزرگوں کی

جامعہ پنجاب کے مولوی محمد شفیعؒ اور مولوی ظفر اقبالؒ کی چند یادیں

بزرگوں کی صحبت اور مجالس میں شرکت سے نہایت سبق آموز نصائح اور زندگی کے نشیب وفراز میں تلخ وشیریں حقائق سے آشنائی ہوتی ہے اور زندگی بسر کرنے میں معقول رہنمائی بھی ملتی ہے۔اس سلسلے میں بعض بزرگ حضرات جن سے میرا تعلق رہا ہے۔ان کی زرّیں باتیں میں اپنے قارئین اور احباب تک پہنچانے میں مسرت محسوس کرتا ہوں تاکہ ان کے علم میں بھی اضافہ ہو اور وہ اس سے فائدہ بھی اُٹھائیں۔

مولوی محمد شفیع مرحوم

خان بہادر مولوی محمد شفیع مرحومؒ شعبہ دائرۂ معارفِ اسلامیہ اردو پنجاب یونیورسٹی کے پہلے چیئرمین تھے۔اعلیٰ پایہ کے محقق اور علومِ فارسی اور اردو کے مسلّمہ عالم تھے۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضامین کا اردو ترجمہ اور ان کی تصحیح اور چھان بین ان کا فریضہ تھا۔اس کے لیے بڑی عرق ریزی سے کام کرنا پڑتا۔بہت سے قابل اور زبان دان علماء اور پروفیسر ان کے زیرِ اثر مترجمین کا کام کررہے تھے۔بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔بعض علماء سے نئے مضامین بھی لکھائے جارہے تھے۔مولوی محمد شفیع صاحب ان کی نظر ثانی اور تصحیح کرتے ،اس کے بعد مترجمین کو معاوضہ دیا جاتا۔انسائیکلوپیڈیا کے یہود ونصاریٰ مرتبین نے اسلام کے خلاف موقع بموقع غلط اور بے سروپا بدگمانیاں تحریر کی ہوئی تھیں جن کی نشان دہی کرکے انہیں محو کرنا اور صحیح نقطۂ نظر درج کرنا بھی پیشِ نظر تھا۔اس مقصد کے لیے مولوی صاحب تمام مسودات کو ایک ترتیب کے ساتھ پرکھتے اور تصحیح کرتے تھے۔اس سے مترجمین کے معاوضوں کی ادائیگی میں دیر بھی ہوجاتی۔اور انہیں پریشانی بھی برداشت کرنا پڑتی۔ایک بزرگ مترجم غالباً مولانا (مرغوب احمد) ایم اے سابق ریڈر ڈھاکہ یونیورسٹی کا گزارہ اسی معاوضہ پر تھا۔میں اس ادارہ کا سینئر کلرک تھا۔وہ میرے پاس تشریف لائے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ شمیم صاحب! میرا گزارہ اسی ترجمہ کے معاوضہ پر ہے ابھی تک مجھے معاوضہ نہیں ملا اس لیے پریشان

ہوں۔ میں ان کی حالت سے بہت متاثر ہوا اور فوراً مولوی صاحب کی خدمت میں ان کے کمرہ میں حاضر ہوا۔ انہوں نے

☆ لالہ موسیٰ، ضلع گجرات

فرمایا کیسے آئے ہو؟ میں نے مرغوب صاحب کا معاملہ پیش کیا تو انہوں نے اپنی عدم فرصت اور کام کی زیادتی کا ذکر کرتے ہوئے مجھے فرمایا آپ ان کے ترجمہ کا بل تیار کر کے میرے پاس لے آئیں میں اُسے منظور کر دیتا ہوں، ان کو ادائیگی کر دیں۔ اُن کا ترجمہ بعد میں پڑتال کر لوں گا۔ میں نے فوراً بل تیار کیا اور منظوری لے کر ان کو ادائیگی کر دی۔

مولانا محمد اصغر روحی کا انتقال ہوگیا۔ مولوی صاحب نے مجھے بلایا، فرمایا کہ ان کے استاذ مکرم وفات پا گئے ہیں ان کے جنازہ میں شرکت کرنا ہے ٹانگہ لاؤ اور میرے ہمراہ بیرون مستی گیٹ (لاہور) چلو۔ میں ٹانگہ لے آیا اور ہم دونوں ان کی رہائش گاہ پہنچ گئے۔ وہیں باہر گراؤنڈ میں بعد از نماز عصر جنازہ پڑھا اور پھر ٹانگہ پر ہی واپس روانہ ہوئے۔ راستہ میں مولوی صاحب نے مجھے بتایا کہ اورینٹل کالج میں، میں اُن کا شاگرد تھا۔ ایک دن اُن سے عرض کیا کہ مجھے ایک مضمون کی تیاری کے لیے کچھ وقت دے دیں تو میں آپ کے مکان پر آ جایا کروں۔ انہوں نے فرمایا کہ اُن کے پاس ایسا فارغ وقت نہیں ہے۔ ہاں جب میں صبح گھر سے کالج کو روانہ ہوتا ہوں تو میرے پاس پہنچ جایا کریں۔ میں تمہیں راستہ بھر مضمون کی تیاری کرا دیا کروں گا۔ اس زمانے میں وہ (روحی صاحب) پیدل ہی گھر سے کالج جایا کرتے تھے۔ اس پیش کش سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مولوی صاحب ہر روز بلا ناغہ صبح سویرے وارث روڈ سے پیدل ہی ان کے مکان پر پہنچ جایا کرتے اور پھر ان کے ہمراہ مضمون کی تیاری کرتے ہوئے کالج پہنچ جاتے۔ یہ تھی پرانے اساتذہ کرام کی اپنے طلباء سے محبت اور شفقت اور طلبا کی علم سے رغبت اور تحصیلِ علم کے لیے محنت و مشقت۔

مولوی صاحب بڑے اصول پرست تھے۔ جھوٹ سے سخت نفرت کرتے اور سچائی کی قدر کرتے تھے۔ بد دیانتی کو ناپسند کرتے اور دیانت اور امانت کی قدر کرتے تھے۔ انہوں نے دائرہ معارفِ اسلامیہ اردو کی پرنٹنگ کے لیے امریکہ سے بائبل پیپر امپورٹ کرایا۔ کاغذ کو میری سپردگی میں اسٹور کرایا۔ جب معارف کا پہلا جُزء پریس کو بھیجا گیا تو ایک رِم کاغذ میں نے پریس کو دیا۔ پریس والوں نے مولوی صاحب کو بتایا کہ رِم سے تقریباً سات شیٹ کم ہیں۔ مولوی صاحب کا خیال تھا کہ رِم میں ایک سو شیٹ ہونے چاہئیں۔ مولوی صاحب مجھے ہمراہ لے کر پریس پہنچے اور گنتی شروع کی دو تین شیٹ پرنٹ

کرتے ہوئے خراب ہوئے اور تقریباً پانچ شیٹ کم تھے۔ مولوی صاحب نے پریس والوں سے بحث کی لیکن انہوں نے یقین دلایا کہ انہوں نے کوئی دغل فریب نہیں کیا۔ اب مجھ پر الزام آتا تھا کہ میں نے رِم سے کچھ شیٹ نکالے ہوں۔ میں نے مولوی صاحب کو مشورہ دیا کہ ابھی ہمارے پاس بے شمار رم بند پڑے ہیں ان میں سے ایک نکال کر گنتی کر لیتے ہیں۔ مولوی صاحب نے میری بات مان لی۔ ہم دفتر پہنچے میں نے مولوی صاحب کی موجودگی مین سٹور کھولا اور اس میں سے ایک پیکٹ رِم نکالا اور مولوی صاحب کے سامنے گنتی کی تو اس میں بھی سات آٹھ شیٹ کم تھے۔ مولوی صاحب کو یقین ہو گیا کہ اس میں پریس والوں کی غلطی اور نہ ہی میری فروگزاشت ہے۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ امریکن سفیر کو شکایت بھیجو کہ ان کی فرم نے ایسا کیا ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ چند ہی دنوں میں امریکی سفیر کا خط ملا تو اُس نے تحریر کیا کہ فرم گنتی نہیں کرتی بلکہ وزن کر کے رِم بناتی ہے۔ اس سے شیٹ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس پر معاملہ رفع دفع ہوا۔ میں آج سوچتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب کی طرز پر سوچنے والے محتسب موجودہ حکومت میں ہوں تو کرپشن ختم ہو سکتی ہے لیکن ہمارے ہاں تعلیم میں اخلاق کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ پرانے بزرگوں میں اخلاق کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ اب بداخلاقی نشوونما پا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے تباہی و بربادی کا دور دورہ ہے۔ بہرحال نظامِ تعلیم کی اصلاح ضروری ہے۔ اس کے لیے بااخلاق اساتذہ کی ضرورت ہے۔

جب میں کسی کام سے مولوی صاحب کے کمرہ میں جاتا تو مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور اپنا کام چھوڑ کر کسی موضوع پر گفتگو فرماتے۔ ایک دفعہ پرانے لوگوں کی قوت کی بات چھڑی تو فرمانے لگے کہ چیلیانوالہ ضلع گجرات کا ذکر ہے کہ ایک شخص گندم خریدنے وہاں گیا، معلوم ہوا کہ ایک گھر میں اچھی قسم کی گندم موجود ہے۔ وہاں پہنچ کر اس نے گھر والوں سے گندم کا نمونہ طلب کیا تو گھر میں موجود خاتون نے گندم کا نمونہ پیش کر دیا۔ اس شخص نے گندم کو دونوں ہاتھ میں مسلا اور پھونک ماری تو وہ آٹے کی طرح اُڑ گئی۔ مرد نے خاتون سے کہا کہ گندم پختہ نہیں ہے۔ خاتون نے جواب دیا کہ آپ قیمت میں کون سی رقم دیں گے؟ اس شخص نے جیب سے اس زمانہ کا چاندی کا روپیہ نکال کر پیش کیا۔ خاتون نے روپیہ لے کر جُوں ہی اپنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں مسلا تو اس پر شاہ کی تصویر اور تحریر مٹ چکی تھی۔ خاتون نے کہا کہ کیا تم مجھے کھوٹا سکہ دینا چاہتے ہو؟ اس پر وہ شخص شرمندہ ہو گیا۔ پہلے لوگ طاقتور اور قوی ہوتے تھے اور ان کی خوراک سادہ اور قوت بخش ہوتی تھی۔ ان کی سرگرمیاں صحت مند ہوتی تھیں۔ شاہ سوار اور تلوار کے دھنی ہوتے تھے۔ محنت اور مشقت کرتے تھے۔ اب مرد و زن کے اشغال بھی صحت و قوت کے منافی ہیں۔ عیش اور آرام طلبی ان پر مسلط ہو گئی ہے۔ محنت اور مشقت سے جی چراتے ہیں۔ کاش کہ ہوش کے ناخن لیں۔

مولوی صاحب ایک مضمون پر تحقیقی قلم چلا رہے تھے۔ میں ان کے کمرہ میں داخل ہوا تو وہ اپنے مضمون پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہوئے کہ ہندوستان کا ایک شہری ایران میں ایک دینی بزرگ کی شہرت سن کر ان کی زیارت کے لیے ایران چلا گیا۔ کافی عرصہ ان کی صحبت اور مجلس میں گزارا۔ ایک مدت کے بعد اس نے ہندوستان واپسی کا ارادہ کیا اور بزرگ سے واپسی کی اجازت چاہی۔ بزرگ نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے ساتھ کچھ سامان بھی ہے اور سفر بھی خاصا لمبا اور مشقت طلب ہے اس لیے میرا ایک گدھا لے جائیں۔ اس پر سامان بھی رکھ لیں اور سواری بھی کرتے رہیں۔ تا کہ آپ کا سفر بخوبی طے ہو جائے۔ مرید نے گدھا لیا، اس پر سامان رکھا اور سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ کچھ فاصلہ طے ہوا تو گدھا بیمار ہوا اور مر گیا۔ مرید کے لیے یہ بہت تکلیف دہ حادثہ تھا۔ کوئی اور ذریعہ سفر نہ تھا۔ پیر صاحب کے گدھے کو یوں ہی سڑک پر چرند پرند کے نوچنے کے لیے چھوڑ دینا خلاف ادب سمجھا۔ اُس نے قبر کھودی اس میں گدھے کو دفن کیا اور وہاں کھلی جگہ قیام کر لیا۔ پانی کا چشمہ تھا۔ وہاں اپنی کٹیا بنائی، سایہ دار اور پھلدار درختوں کا باغیچہ بنا لیا۔ جب کوئی مسافر ادھر سے گزرتا وہ وہاں قیام اور آرام کرتا۔ پانی پیتا اور پوچھتا کہ یہ کن بزرگوں کی قبر ہے۔ تو وہ بڑے ادب سے کہتا ''خرِ پیر است'' وہ مقام پیر کا آستانہ بن گیا اور گرد و نواح میں مشہور ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس کی اطلاع مرید کے بزرگ پیر تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے بھی اس آستانہ کی زیارت کی ٹھانی۔ جب وہ اس خانقاہ پر پہنچے تو ان کا مرید ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھا تو پیر صاحب حیران رہ گئے۔ انہوں نے مرید سے اُس کی آپ بیتی سنی تو اُسے خوش قسمت و کامران قرار دیا اور واپس ہوئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اندھی تقلید سے دین میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی اصلاح بعد میں مشکل ہو جاتی ہے۔

مولوی صاحب اپنے ملازمین کے ساتھ ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ میرے ساتھ ایک جونیر کلرک عطا محمد (عارضی یعنی سیزنل) کام کر رہا تھا۔ وہ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ مولوی صاحب کا ایک بیٹا کوئٹہ میں ریلوے افسر تھا۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی کہ عطا محمد کو وہاں ٹی بی ہسپتال میں داخل کروا کر علاج کا انتظام کریں اور عطا محمد کو تین ماہ کی رخصت بھی دے دی گو میں اس عرصہ میں یونیورسٹی سے مستعفی ہو کر جماعت اسلامی کا ہمہ وقتی کارکن بن گیا۔ لیکن جب عطا محمد صحت یاب ہو کر واپس آیا تو وہ میری جگہ پر واپس آ گیا۔ بعد میں وہ وہیں ہیڈ کلرک بن گیا پھر ترقی پا کر ڈپٹی کنٹرولر کنڈکٹ اور بعد میں ڈپٹی کنٹرولر سیکریسی بن گیا۔ ایک دفعہ میرا یونیورسٹی میں کسی کام سے جانا ہوا تو مجھے ڈپٹی کنٹرولر کنڈکٹ سے رابطہ کرنا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ عطا محمد ہی اس عہدہ پر متعین ہے۔ جوں ہی میں کمرے میں داخل ہوا تو عطا محمد اپنی سیٹ سے اُٹھ کر مجھ سے بغل گیر ہو گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ وہی عطا

محمد ہے جو میرا جونیئر کلرک تھا۔ مجھے اُن سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جان لیوا بیماری سے نجات ہی نہ دی بلکہ ترقی یافتہ زندگی بھی عطا فرمائی۔ اس کا کریڈٹ مولوی محمد شفیع مرحوم کو بھی جاتا ہے انہوں نے اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے عطا محمد کی بیماری میں علاج کی سہولت فراہم کی۔ جب میں نے اپنا مسئلہ عطاء محمد صاحب کو پیش کیا تو وہ کہنے لگے کہ میں اُسی نقطۂ نظر کی پیروی کر رہا ہوں جس کے آپ قائل تھے۔ ان کے یہ ریمارکس سن کر مجھے مزید خوشی ہوئی۔

مولوی ظفر اقبال مرحوم

مولوی ظفر اقبال مرحوم اُن کے شاگردوں میں سے تھے۔ وہ ڈاکٹر ریاض قدیر مرحوم میو ہسپتال کے معروف سرجن اور پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے بڑے بھائی تھے۔ نہایت دین دار اور صاحبِ علم تھے۔ گورنمنٹ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں رجسٹرار بھی رہے اور پھر گورنمنٹ کالج، کیمبلپور کے پرنسپل بھی متعین رہے۔ ریٹائر ہونے پر وہ دائرۂ معارفِ اسلامیہ اردو میں مولوی محمد شفیع مرحوم چیئرمین ادارہ کے سیکرٹری کے عہدہ پر بھی کام کرتے رہے۔ یعنی اُستاد اور شاگرد ایک ہی ادارہ میں نمایاں رنگ رکھتے تھے۔ جب میں ادارہ میں اردو اور انگریزی ٹائپ کا کام کرتا تھا اُس وقت ایک نوجوان عبدالرؤف بطور سینئر کلرک کام کرتے تھے۔ اُن کا وزیر آباد شہر سے تعلق تھا۔ ایک دن انہوں نے چاقو اور چھریوں کا ایک ڈبہ مولوی ظفر اقبال صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ یہ کس غرض کے لیے مجھے دے رہے ہو۔ کیا کسی کام کے لیے رشوت کے طور پر پیش کر رہے ہو؟ وہ کچھ جواب نہ دے سکے۔ مولوی ظفر اقبال صاحب نے عبدالرؤف کو کہا کہ تم نے مجھے لالچ دے کر میری اہانت کی ہے۔ اب تم اپنی تبدیلی کرالو یا استعفیٰ دے دو، میرے پاس کام نہیں کر سکتے۔ ان دونوں کے درمیان عدمِ تعاون کا نتیجہ یہ نکلا کہ عبدالرؤف صاحب مستعفی ہو کر ایکسائز ڈیپارٹمنٹ میں چلے گئے۔ مولوی ظفر اقبال کی طرح پاکستانی اداروں میں تمام ذمہ دار عہدہ دار اپنے وقار کا لحاظ برقرار رکھتے ہوئے رشوت اور تحائف کے خلاف ایسا روّیہ اختیار کریں تو اس میدان میں بڑی اصلاح ہو سکتی ہے۔

مولوی ظفر اقبال صاحب اپنا کام نہایت دیانتداری اور خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔ انہوں نے انجمن حمایتِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ قرآن پاک کی تصحیح نہایت صاف اور شفاف طریقہ پر کی اور یہ اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص اس میں کسی حرف زیر، زبر، شدّ، پیش، مد وغیرہ کی غلطی نکال دے تو اُسے ایک اشرفی انعام دیا جائے گا لیکن کوئی شخص بھی یہ انعام حاصل نہ کر سکا۔ جس توجہ اور ذمہ داری سے انہوں نے قرآن پاک کی صحت اور درستی کا فرض ادا کیا، وہ قابلِ فخر اور قابلِ داد ہے۔

ان بزرگوں کی سوچ اور فکر بھی نرالی تھی۔ مولوی ظفر اقبال صاحب ایک دفعہ مجھے بتانے لگے کہ جب وہ محکمہ تعلیم میں رجسٹرار تھے تو میرے چپڑاسی نے ایک ماہ رخصت کی درخواست دی میں نے اُسے منظور کر لیا۔ اس نے ہندوستان کے کسی شہر میں جانا تھا۔ دفتر کے بند ہونے سے کچھ وقت پہلے میں نے اُسے دس روپے دیئے اور چند اشیاء خریدنے کے لیے بازار بھیجا اور ہدایت کی کہ اگر دیر ہو جائے اور میں چلا جاؤں تو تمام اشیاء اور بقایا میری میز کی دراز میں رکھ کر چلے جانا۔ چپڑاسی کو واپسی میں دیر ہوگئی اور میں دفتر سے گھر چلا گیا۔

دوسرے دن صبح جب میں دفتر گیا تو میں نے میز کی دراز کھول کر دیکھا تو تمام اشیاء اور بقایا پڑا ہوا تھا لیکن میں نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا اور دراز بند کر دیا۔ چپڑاسی جب مہینہ کی رخصت کے بعد دفتر آیا تو اس نے مجھ سے پہلا سوال کیا کہ کیا آپ نے سامان اور بقایا لے لیا ہے۔ میرے انکار پر وہ آیا اور اس نے سامان اور بقایا نکال کر میرے حوالے کیا تو میں نے وصول کیا۔ پرانے بزرگ اپنے اعمال اور کردار کو صاف اور شفاف رکھنے میں کتنا اہتمام کرتے تھے، اب زمانہ ان سے بیگانہ ہو گیا ہے۔

مولوی ظفر اقبال مرحوم اپنا نجی کام دفتر کے اوقات میں نہ کراتے اگر کوئی کام ہوتا تو مجھے فرماتے کہ چھٹی کے بعد چلے نہ جانا مجھے ٹائپ کا کام کرانا ہے۔ چپڑاسی کو کہتے کہ اچھی قسم کی چائے چائنک میں لاؤ اور اس کے ساتھ اچھی قسم کے بسکٹ بھی لے آؤ۔ میز پر سب اشیاء چُن دی جاتیں۔ مجھے فرماتے آؤ کچھ کھا پی لیں پھر کام کریں گے۔ جب فارغ ہو کر میں کام شروع کرتا تو پیمانہ لے کر مجھے کاغذ پر حاشیہ چھوڑنے اور لائنوں کے درمیان فاصلہ رکھنے کی ہدایت کرتے۔ میں اس پابندی کے ساتھ ٹائپ کرتا اور وہ میرے کام سے خوش ہوتے۔ انہوں نے ہر لحاظ سے خصوصاً دین کے بارے میں میری خوب تربیت کی۔

ایک دفعہ مولوی محمد شفیع مرحوم اور ان کے شاگرد مولوی ظفر اقبال مرحوم کے درمیان دفتر میں کسی علمی مسئلہ پر بحث چل پڑی جس سے تلخی بڑھ گئی۔ سٹاف بھی پریشان ہوگیا۔ آخر مولوی ظفر اقبال مرحوم چیئرمین کے کمرہ سے باہر آ گئے۔ اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد عبدالرحمن چپڑاسی کو بلایا اور اُسے عمدہ چائے اور بسکٹ لانے کے لیے بازار بھیجا۔ جب وہ تمام اشیاء لے آیا اور میز پر رکھ دیں تو چپڑاسی کو کہا کہ مولوی صاحب کو کہیں کہ آ کر چائے پی لیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے۔ اس پر مولوی ظفر اقبال خود اُٹھے اور کمرے میں جا کر اپنے استاد سے کہا کہ یہ تو علمی بحث تھی۔ ایسے مسائل پر مَیں آپ سے خوب بحث کا حق رکھتا ہوں لیکن بطور شاگرد آپ کی عزت کرتا ہوں اور اُن کو زبردستی اُٹھا کر باہر لے آئے اور مل

کر چائے نوش فرمائی۔

بعد میں مجھے کہنے لگے مسائل پر بحث کرتے آپس میں تلخی ہوجاتی ہے مَیں پسند نہیں کرتا کہ اپنے اُستاد سے ایسی تلخی پیدا ہو۔ اس پر انہوں نے ادارہ کی ملازمت سے استعفٰی دے دیا گو مولوی محمد شفیعؒ نے انہیں استعفٰی واپس لینے کی ترغیب دی لیکن وہ نہ مانے۔

بچوں پر جنسی تشدد، قصاص و دیت اور سزائے موت کے خاتمہ کے بارے میں

ملی مجلس شرعی کی متفقہ قراردادیں

ملی مجلس شرعی کا ایک اجلاس ۲۲ ستمبر ۲۰۱۳ء کو لاہور میں ہوا، جس کی صدارت علامہ احمد علی قصوری صاحب نے کی۔ شرکاء میں حافظ عاکف سعید صاحب (امیر تنظیم اسلامی، پاکستان)، جسٹس (ر) نذیر احمد غازی، حافظ ساجد انور (ڈپٹی سیکرٹری جنرل جماعت اسلامی، پاکستان)، سید عبدالوحید شاہ اور قاری احمد وقاص صاحب (جماعت الدعوہ)، مولانا سید محمد توقیر و علامہ فخر ساجدی صاحب (جامعہ العروۃ الوثقٰی)، مولانا محمد وسیم خان اور حافظ محمد نعمان حامد (جامعہ الخیر، لاہور) اور ڈاکٹر محمد امین (صفاء اسلامک سنٹر) شامل تھے۔ اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے بالاتفاق ہوئے۔

توہین رسالت اور اسلامی نظریاتی کونسل

اخبارات میں یہ خبریں آنے کے بعد کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے حکومت پاکستان سے یہ سفارش کی ہے کہ جس آدمی کے خلاف یہ ثابت ہوجائے کہ اس نے توہین رسالت کا جھوٹا مقدمہ دائر کیا تھا اسے بھی سزا موت دی جائے، پر ارکان نے اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا لیکن دریں اثناء اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب سے فون پر رابطہ کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ کونسل نے ایسی کوئی سفارش منظور نہیں کی۔ البتہ اس موضوع کی ایک قرارداد وہاں ان کی غیر موجودگی میں پیش ضرور کی گئی تھی جس کا علم ہونے پر انہوں نے اس نے شدید مخالف کی چنانچہ بات وہیں ختم ہوگئی۔

ارکان نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ اسلام دشمن قوتیں، قادیانی اور سیکولر عناصر قانون توہین رسالت کو غیر موثر کرنے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۱۹۴ کی صورت میں یہ قانونی حکم پہلے سے موجود ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا جھوٹا مقدمہ عدالت میں دائر کرے جس کی سزا عمر قید یا موت ہو اور عدالت میں مدعی کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے تو مدعی کو عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اور اگر کسی جھوٹے مقدمہ کی وجہ سے مدعا علیہ کو سزائے موت دے دی جائے تو مدعی کو اس کی پاداش میں سزائے موت دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا دفعہ ۱۹۴ کے موجود ہوتے ہوئے کسی نئے قانون کی ضرورت ہی نہیں۔ ارکان نے ان لوگوں کی مذمت کی جو قانون توہین رسالت کو غیر موثر بنانے کے لیے اس قسم کے شوشے چھوڑ رہے ہیں۔

ارکان نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تنظیم نو کی جائے اور اس میں مختلف دینی مکاتب فکر کے صرف ایسے ثقہ اور جید علمائے کرام اور اسلامی اسکالرز کو شامل کیا جائے جن کے رسوخ فی العلم اور اخلاق پر عوام کو اعتماد ہو۔

قتل عمد میں دیت کی ادائیگی

ارکان نے کہا کہ قتل عمد میں دیت کی گنجائش تو قرآن حکیم میں موجود ہے لیکن اگر عدالت محسوس کرے کہ مقتول کے ورثاء پر دباؤ ڈال کر ان سے باکراہ صلح کروائی گئی ہے یا انہیں دیت لینے پر مجبور کیا گیا ہے تو عدالت اس طرح کے صلح نامے کو مسترد کر سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ مقتول کے ورثاء کے معاف کرنے کے باوجود عدالت اس قتل کو ریاست اور معاشرے کے خلاف جرم قرار دیتے ہوئے اگر ملزم کو مقتول کے ورثا معاف بھی کر دیں تو اس کے باوجود بھی ملزم کو تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۱۱ کے تحت ۱۴ سال تک سزا دی جا سکتی ہے۔ اور اگر ملزم کا کیس فساد فی الارض کے زمرہ میں آتا ہو تو اسی دفعہ کے تحت ملزم کو سزائے موت بھی دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی مقدمہ میں دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ ۷ کے تحت مقدمہ درج ہو تو پھر ورثاء مقتول کی معافی کے باوجود ملزم کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

ارکان نے شاہ رخ کیس میں میڈیا اور عوام کے اس مطالبہ کی حمایت کی کہ قاتلوں کے تمرد اور دباؤ کے پیش نظر مقتول کے ورثاء کی طرف سے صلح نامہ کی درخواست نامنظور کر دی جائے اور مجرموں کو سخت سزا دی جائے تاکہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔

بچوں پر جنسی تشدد

ارکان نے لاہور میں پانچ سالہ بچی پر جنسی تشدد کے واقعہ کی سخت مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ مجرموں کو فی الفور گرفتار کیا جائے۔ ایسے مجرموں کے خلاف ۱۵ دن کے اندر اندر فیصلہ کیا جائے اور مجرموں کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ جب تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۳۷۶ اور دہشت گردی کے قانون کے تحت عمر قید اور سزائے موت کی گنجائش موجود ہے تو ایسے مجرموں کو فی الفور سخت سزا دی جائے تاکہ عوام کا عدل وانصاف پر اعتماد بحال ہو اور بدفطرت لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو۔

ارکان مجلس نے الیکٹرانک میڈیا کے رویے کی سخت مذمت کی جو عریانی اور فحاشی کو فروغ دینے میں پیش پیش ہے اور جب کوئی ایسا ناشگوار واقعہ پیش آجائے تو اسے مرچ مصالحہ لگا کر بار بار پیش کرتا ہے جس سے فحاشی کی مزید اشاعت ہوتی ہے۔ ارکان نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ نیٹ کیفے، جوس کارنرز، شیشہ ریسٹورانٹس، مساج سینٹرز اور مخلوط تعلیم پر پابندی لگائے اور میڈیا اور تعلیم نظام کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالے اور عدالتی نظام کو فعال بنائے۔

ارکان نے علمائے کرام سے اپیل کی کہ وہ جمعہ کے خطبات اور مواعظ کے ذریعے لوگوں کی تربیت کریں اور اس بڑھتے ہوئے معاشرتی بگاڑ کے خلاف بند باندھنے کی کوشش کریں تاکہ ایسے واقعات رونما ہی نہ ہوں۔

ڈی این اے کی حیثیت

علمائے کرام نے ڈی این اے ٹیسٹ کی خامیوں کی بناء پر اسے قرائن پر مبنی اور تائیدی شہادت قرار دیا اور ان سیکولر دانشوروں کی مذمت کی جو اسلامی قانون کی حکمتوں کو سمجھے بغیر مغرب کے سیکولر اور لبرل نظریات کی تائید کرتے ہوئے زنا بالرضاء کو ہلکا قرار دیتے ہیں اور صرف زنا بالجبر کی مذمت کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ اسلام کی سخت سزاؤں پر تنقید کرتے ہیں اور جب دوسری طرف اسلام سخت سزا دینے سے پہلے اثبات جرم کے لیے سخت ضابطے بناتا ہے تو پھر اس پر بھی تنقید کرتے ہیں حالانکہ مغرب کا نظام عقوبات خود مریکہ اور یورپ میں ناکام ہو چکا ہے اور اس کے برے اثرات نے وہاں کی معاشرتی زندگی اور خاندانی نظام کو تباہ کر دیا ہے لہٰذا مسلم معاشرے کو اس کی پیروی کی دعوت دینا ذہنی غلامی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سزائے موت کا خاتمہ

مجلس کے ارکان نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ سزائے موت کے قانون پر عمل کرے تاکہ سنگین جرائم کے مرتکب لوگوں کی حوصلہ شکنی ہو۔ انہوں نے مغرب کے فلسفۂ جرم وسزا کو ناقص قرار دیتے ہوئے

کہا کہ اہل مغرب کو معاشرے سے زیادہ مجرموں سے ہم دردی ہے جو غیر فطری ہے۔ علماء کرام نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ مغربی قوتوں کے دباؤ کو قبول نہ کرے اور پاکستان میں سزائے موت کے قانون پر عمل درآمد کرے۔

تفہیم مغرب

ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری*

سیکولرازم کیا ہے؟

سیکولرازم کے تصور کا بانی ایک عیسائی مفکر سینٹ آگسٹین (Saint Augestene) ہے۔ سینٹ آگسٹین نے چوتھی صدی عیسوی میں ایک کتاب ''سٹی آف گاڈ(City of God) لاطینی زبان میں لکھی۔ اس کتاب میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں عملاً دو سلطنتیں ہیں، یعنی دو نظامِ اقتدار قائم ہیں ایک نظام ہے، ''سٹی آف گاڈ'' جس میں خدا کی حکمرانی ہے۔ اس نظام کو چرچ مرتب اور نافذ کرتا ہے، اور یہ نظام خدا اور انسان کے رشتہ کو قائم رکھنے اور مضبوط بنانے کا ذمہ دار ہے۔ یہ نظام عیسائیت کی تشریح اور تنفیذ کرتا ہے، اس نظام کا حاکم مطلق ''پوپ'' ہے، پوپ عیسائیت کی جو تشریح چاہے کرے کیوں کہ روح القدس (Holy Ghost) ہر پوپ میں حلول کر جاتی ہے۔ ہر عیسائی پوپ کا بندہ ہے۔

دوسرا نظام ''سٹی آف مین'' (City of Man) ہے۔ اس نظام کا مقصد وجود...... انسانوں کے آپس کے تعلقات کی ترتیب اور تدوین ہے اور ان کے دنیوی اغراض و مقاصد کا فروغ ہے۔ اس نظام کو چلانے کے لیے اقتدار رومن شہنشاہ کو پوپ سونپ دیتا ہے اور رومن شہنشاہ رومن قانون پر عمل کرتا ہے جس کا ماخذ روم کی روایات ہیں۔ رومن شہنشاہ اسی رومن لاء کے ذریعے ''سٹی آف مین'' پر حکومت کرتا ہے۔ 'سٹی آف مین' میں رومن شہنشاہ انہی معنوں میں حاکم مطلق ہوتا ہے جن معنوں میں پوپ 'سٹی آف گاڈ' میں حاکم مطلق ہوتا ہے۔ رومن شہنشاہ کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ رومن لاء کی جو تشریح چاہے کرے۔

چوتھی صدی عیسوی میں رومن شہنشاہ Constantine نے عیسائیت قبول کر لی۔ اور سینٹ آگسٹین

کا وضع کردہ سیکولرازم کا یہ تصوراتی نظام تقریباً ہزار سال تک یورپ میں نافذ العمل رہا۔ اس نظام کے خلاف منظم بغاوتیں چودھویں اور پندرہویں صدی میں شروع ہوئیں، یہ سبھی مذہبی بغاوتیں تھی، اور ان کے برپا کرنے والے پروٹسٹنٹ عیسائی فرقے تھے۔ ان فرقوں نے پوپ کے 'سٹی آف گاڈ' کے اقتدار کے خلاف بغاوت کی۔ ان بغاوتوں کو مقامی سیاسی مقتدر خاندانوں کا شمالی یورپ میں بھرپور تعاون حاصل تھا۔ جہاں جہاں یہ تحریکیں کامیاب ہوئیں وہاں مطلق العنان بادشاہت (Absolute Monarchy) قائم ہوئی۔ اور ایک قومی چرچ (National Church) وجود میں آیا، جس کا سربراہ قومی بادشاہ قرار پایا۔ اس دور کے آخر میں ایک کلیدی معاہدہ (Treaty of West Halia) کے ذریعے سیکولر نظام کی ایک نئی

☆ پروفیسر، مصنف، محقق، دانشور، ماہر معاشیات، کراچی

تشریح کی گئی۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ متصادم ریاستیں اس بات پر متفق ہوگئیں کہ ہر مطلق العنان بادشاہ اپنی رعیت کا یہ حق تسلیم کرے گا کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے۔ گو کہ ریاست کا سرکاری مذہبی نظام وہی ہوگا جو مطلق العنان فرماں رواں اختیار کرے گا۔ اس نظریہ کو Doctrine of Toleration کہتے ہیں۔

تنویری سیکولرازم

سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسائیت کے خلاف اہم ترین فکری بغاوتوں کا دور ہے۔ ان بغاوتوں کو تنویریت (Enlightenment) کہتے ہیں۔ اس کے کلیدی مفکرین نیوٹن، لاک، کانٹ، ہیگل ڈیکارٹ اور مارکس ہیں۔ ان مفکرین کے نظریات جدا ہونے کے باوجود اس بات پر یہ متفق ہیں کہ انسان ایک Human Being ہے۔ Human being سے مراد ایک نوعی وجود ہے جو احد وصمد ہے اور اپنی ذات اور اپنی کائنات تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ قائم بالذات ہے اور کسی کا عبد نہیں ہے۔ اس کی انفرادی نوعی جستجو کا مقصد تسخیر کائنات ہے۔ اس کو حق ہے کہ خیر اور شر کا تعین خود کرے اور اپنی تمام خواہشات کی تکمیل میں جو عمل معاون ہو رہا ہو وہ خیر ہے۔

یہ تحریک تنویر کے عقائد ہیں۔ تنویری عقلیت ان عقائد کو ثابت نہیں کرتی بلکہ یہ اس کے مفروضات (presumptions) ہیں۔ ان عقائد پر ایمان لائے بغیر انسان Human being نہیں بن سکتا۔ جو انسان Human being نہیں وہ تنویریت کے نظام اجتماعی کا رکن نہیں بن سکتا۔ اور اسے کوئی بھی انسانی حقوق (Human Rights) حاصل نہیں۔ لاک نے یہ بات واضح طور پر کہی ہے

کہ آٹھ کروڑ ریڈ انڈین (امریکا کے قدیم باشندوں) کا قتل اتنا ہی جائز تھا جتنا جنگلی بھینسوں (Bison) کا شکار، کیوں کہ نہ بھینسے Human being ہیں اور نہ امریکا کے قدیم باشندے۔

Human being جو نظامِ اقتدار قائم کرتا ہے اس کو دستوری جمہوریت (Constitutional republic) کہتے ہیں۔ اس نظام اقتدار میں (اصولاً) مطلق العنان فرمانروا شہری (Citizen) ہوتا ہے۔ شہری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تنویری عقائد کی بنیاد پر نظام اجتماعی چلانے کے لیے جو قوانین اور اصول چاہے وضع کرے۔ شرط صرف یہ ہے کہ یہ اصول وقوانین فروغ آزادی، تسخیر کائنات اور خود تخلیقیت (Self determination) کے حصول کا ذریعہ ہوں۔

اس نظام اجتماعی میں سیکولرازم کے لیے دو گنجائشیں موجود ہیں:

الف: Treaty of Westphelia کے مطابق جمہوری دستور کے اصول کو قبول کرنا کہ مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے جس کا نظام اجتماعی کی ترتیب اور تنفیذ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر شخص جو مذہبی عقائد اختیار کرنا چاہے کرسکتا ہے، لیکن یہ عقائد مابعد الطبیعیاتی (Metaphysical) ہوں اخلاقی (Ethicl) نہ ہوں۔ مثلاً یہاں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ زنا سے اجتناب کرے اور زنا کو برا سمجھے، لیکن اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو زنا سے اجتناب کرنے پر مجبور کرے۔ اس کی خودسپردگی (Self Alienation) اس کی خودعقلیت (Self determination) کا اظہار ہو، مذہبی روایت اپنی پسند کی بنیاد پر اس طرح قبول کرنے کا حق رکھتا ہے کہ یہ مذہبی عمل تنویری اجتماعیت (Constitutional republic) کے مقاصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے، بحیثیت شہری وہ فروغِ آزادی اور حصول تسخیر کے کائنات کے مقاصد کی معاشرتی اور ریاستی بالادستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ یہی چیز اس کو ہیومن بی انگ بناتی ہے اور اسی کی بنیاد پر اس کو Human Rights کا حق دار تصور کیا جاتا ہے۔

ب: ہر فرد اور گروہ کو اس بات کا حق بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو تنویری مقاصد یعنی آزادی، تسخیر کائنات، اور خود تخلیقیت کے حصول کا ذریعہ ہونے کی تبلیغ کرے اور ان مقاصد کے حصول کی جدوجہد کی ایک مذہبی تشریح پیش کرے یہ کام نیوٹن، کانٹ، لاک اور ہیگل نے شروع کیا اور وہ سب اپنے آپ کو پکا اور مخلص عیسائی تصور کرتے تھے۔

آج دو تحریکیں یہ عمل کامیابی سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایک Evangelism اور دوسری Zionism صیہونیوں کا دعویٰ ہے کہ یہودیت کی جو تشریح وہ پیش کرتے ہیں وہ تنویری اقدار کے حصول کا

بہترین ذریعہ ہے۔ Evanglists کہتے ہیں کہ امریکی دستور جس کی بنیاد پر دنیا کی کامیاب ترین ریاست قائم ہے عیسائی تعلیمات سے ہی محفوظ ہے۔

برصغیر میں سیکولرازم

برصغیر کی کامیاب ترین مذہبی سیکولر تحریک سنگھ پریوار اور بی جے پی ہے۔جس نے ہندو مذہب کی خالص سیکولر تشریح پیش کی ہے اور اس کی بنا پر بڑے پیمانے پر عوامی پذیرائی حاصل کی ہے اور کانگریس نے بھی عملاً ان تشریحات کو قبول کیا ہے۔ برصغیر میں جس سیکولرازم نے فروغ پایا ہے وہ مذہب کو سراہنے والی سیکولرازم ہے۔ یہ سیکولرازم ہندوستان کے تمام مذاہب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان کو ہندوستان کے لوک ورثہ کا اہم جز سمجھتی ہے۔ یورپی سیکولرازم کی طرح ہندوستانی سیکولرازم بھی مذہب کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ رائج شدہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام اقتدار کا جائز ہونے یا نہ ہونے کا سوال اٹھائے یا اس کی قانونی حیثیت (Legitimacy) کو چیلنج کرے۔ مذہبی ترجیحات، رسومات اور تشخص لازماً دستوری ریاستی نظام اقتدار کی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کو تسلیم کرتی ہیں اور اسی وجہ سے سیکولر ریاستی نظام کو تحفظ حاصل ہے۔ جمعیت علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند ان معنوں میں سیکولر جماعتیں ہیں کہ انہوں نے دستوری نظامِ اقتدار کی بالادستی اُصولاً اور عملاً قبول کر لی ہے۔اور ان کی دعوتی اور علمی جدوجہد بھی اس سیکولر نظام اقتدار سے متصادم نہیں۔ یہ دونوں جماعتیں کانگریس کی سیکولرازم کو بی جے پی کی سیکولرازم پر ترجیح دیتی ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ ہندوستانی انفرادیت اور معاشرت کو صرف ہندومت سے منسلک کرنا درست نہیں اور اگر تمام مذاہب کی تکریم (Respect) برقرار رکھنا ہے تو ہر مذہبی تشخص کو سیکولر نظام میں سموجانے اور فروغ پانے کے یکساں مواقع فراہم کیے جانا چاہئیں۔ چونکہ کانگریس اس دلیل کو اصولاً نہرو کی تحریروں بالخصوص (Discovery of India) کی بنیاد پر قبول کرتی ہے لہٰذا عملاً جمعیت علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند اور یوپی کی مسلم مجلس عملاً کانگریس کی حلیف سیاستی جماعتیں بن گئیں ہیں۔اور یہ تینوں جماعتیں ہندوستانی سیکولرازم کے استحکام کو اسلام کے تحفظ کے لیے ضروری سمجھتی ہیں۔

پاکستانی سیکولرازم اور اسلامی جدوجہد

حاجی صاحب ترنگ زئی کی شہادت اور تحریک ریشمی رومال کی ناکامی کے بعد علماء ہند نے اپنی سیاسی جدوجہد کو سیکولر خطوط پر مرتب کیا۔ ۱۹۱۸ء/۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت وجود میں آئی اور ۱۹۲۰ء میں جمعیت علماء ہند قائم کی گئی۔ یہ دونوں تنظیمیں تحریک استخلاص وطن کا حصہ تھیں جس کی عملی قیادت گاندھی

کررہا تھا۔گاندھی کا طریقہ کار عدمِ تشدد(ستیہ گرہ)(Non Violent/ Boycott) پر مبنی تھا۔عدمِ تشدد پر مبنی تحریک ایک قانونی، احتجاجی اور مفاہمتی مطالباتی تحریک تھی جس کا مقصد برصغیر کے باشندوں کے لیے سرمایہ دارانہ جمہوری دستوری حقوق کا حصول تھا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں سیکولر قوم پرست جماعتیں تھیں۔علماء دیوبند اور علماء بریلی نے ان جماعتوں کی ماتحتی قبول کرلی اور ہندوستان میں احیاء ریاستِ اسلامی کو ناممکن سمجھ لیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد لبرل سیکولر دستوریت کی اسلام کاری کا عمل بروئے کار لایا گیا۔قرارداد مقاصد(Objectives Resolution) کی منظوری کے بعد پاکستان کے دستور کو اسلامی گردانا گیا اور اسلامی جماعتوں کی جدوجہد اسی دستور کے تناظر میں مرتب کی گئی۔ چونکہ یہ دستور خالصتاً سیکولر اور لبرل ہے، شریعت کی بالادستی کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی علومِ اسلامیہ کی بالادستی قبول کرتا ہے لہٰذا اس کے تناظر میں جدوجہد کرنے والی اسلامی جماعتوں کی جدوجہد پیہم ناکامی کا شکار ہے۔ یہ تحریکیں مطالبات اور احتجاج سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکیں۔سیکو نظام نے اسلامی جماعتوں کے سموجانے کا سب سے واضح ثبوت ایم ایم اے کا پانچ سالہ دورِ حکومت فراہم کرتا ہے۔ایم ایم اے اپنے دورِ اقتدار میں اسلامی علامتی اقدام تک میں ناکام رہی۔حسبہ بل کو افتخار محمد چودھری نے (جسے آج جماعت اسلامی قوم کا نجات دہندہ تصور کرتی ہے) بیک جنبش قلم مسترد کردیا تھا۔فوج کے مجاہدین اسلام کے خلاف مظالم جاری رہے، حکومتی سودی کاروبار اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ایم ایم اے میں شامل جماعتیں دستورِ پاکستان کو احکامات شریعتِ مطہرہ پر بالادست تسلیم کرتی ہیں اور صرف وہی جدوجہد (مطالباتی، احتجاجی، Non Violent، ستیہ گری) کرنے کی قائل ہیں۔جس کی اجازت پاکستان کا دستور ان کو دیتا ہے؛

اور تم سوائے شور کے کچھ بھی نہ کرسکو
کیا خوب لڑ رہے ہو کہ مارو نہ مرسکو

سیکولر دستوری نظام میں ماتحتی قبول کرکے اسلامی جماعتیں جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماء پاکستان اور جماعت اسلامی اپنی اسلامی سیاستی شناخت کھوتی جارہی ہیں۔ جمعیت علماء اسلام پیپلز پارٹی کی حلیف تھی، اب جماعت اسلامی عمران خان کی ساتھی بن گئی ہے۔کیا یہی اسلامی سیاست ہے؟

سیکولرازم کو قبول کرنے کا طریقہ صرف سیاستی نہیں معاشرتی بھی ہے، اس معاشرتی طریقہ کو اختیار کرنے والے غلبہ اسلام کی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اقتدار اسلامی کے قیام کی جدوجہد سے

عملاً لاتعلق رہتے ہیں۔ یہ رویہ صوفیائے چشتیہ اور قادریہ نے تیرہویں صدی سے اپنایا ہوا ہے۔ جب تک برصغیر میں اسلامی سلطنت قائم رہی اس رویہ کے جواز میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ چوں کہ سلطان ظل اللہ ہے لہٰذا صوفیاء یکسو ہو کر ہندوستان کے باشندوں کو مسلمان بنانے کا کام کریں اور معاملات اقتدار سلطان ظل اللہ کے سپرد کر دیں۔ سلسلہ نقشبندیہ نے اکبر اور جہانگیر کو فکری شکست دے کر ریاست اسلامی کو محفوظ رکھا (اور اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ ولی اللہ کی جدوجہد نہایت اہم ہے) لیکن جب امام عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ اور داراشکوہ کے درمیان معرکہ برپا ہوا تو یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بیشتر اہل تصوف دارا کے حامی بنے بالخصوص پنجاب میں۔ اور امام عالمگیر اپنے نصف صدی کے دورِ اقتدار میں بہت کم صوفیا کو مغل انتظامیہ کا پیہم جستجو کے باوجود حصہ بنانے میں کامیاب ہو سکے۔

اس سے واضح ہوا کہ سلطنت سے لاتعلقی کے نتیجہ میں اہل تصوف کا سیاسی شعور ختم ہوتا چلا گیا۔ سترہویں صدی میں صوفیاء کرام نے عالمگیر جیسے ولی اللہ سے پہلوتہی کی اور بیسویں صدی میں درویشِ خدا مست سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو بالکل تنہا چھوڑ دیا۔ پنجاب اور سندھ کے بیشتر پیروں کے خانوادے انگریز کے باج گزار بنے۔ آج ڈاکٹر غلام مصطفی خاں اور محمد موسیٰ بھٹو جیسے صوفی اسلامی جماعتوں کو سیاست سے پہلوتہی کا درس دیتے ہیں اور امریکی استعمار کے ہم نوا یوسف قرضاوی اور وحیدالدین خان کے ہم نوا ہیں۔ اس نوعیت کا تصوف روحانی عیاشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

نظام اقتدار کے قیام کی جدوجہد سے پہلوتہی اسلامی عوامی جماعتوں مثلاً دعوت اسلامی اور تبلیغی جماعت نے بھی اختیار کی ہے۔ یہ جماعتیں سیاسی عمل کو گندا کہتی ہیں اور عملاً یہ جماعتیں سیکولر نظام کا حصہ بن گئی ہیں اور سیکولر اقتدار کو کوئی چیلنج پیش نہیں کرتیں۔ یہ اس رائے کا اظہار کرتی ہیں کہ انفرادی اصلاح کے نتیجہ میں نظام اقتدار خود بخود تبدیل ہو جائے گا، ظاہر ہے یہ رائے صرف وہی شخص رکھ سکتا ہے جو انقلاب عالم کی تاریخ سے ناواقف ہے۔

اختتامیہ

سیکولرازم سے مراد یہ ہے کہ نظام اقتدار اس طرح مرتب ہو کہ Human being کی حاکمیت مطلقہ (Absolute Sovereignty) کارِفرما رہے۔ اور اس کے نتیجہ میں مکمل آزادی اور تسخیر کائنات کو ممکن بنایا جا سکے۔ سیکولرازم کے ذریعے ہیومن بی انگ کی الوہیت اور صمدیت قائم کی جاتی ہے۔

ہم سیکولر نظام کو کلیتاً، اصولا اور عملاً رد کرتے ہیں۔ سیکولرازم میں کسی مذہبی پیوندکاری کے قائل

نہیں۔ ہماری جدوجہد سیکولر نظام اقتدار کو جڑ بنیاد سے اُکھاڑ پھینکنا ہے۔ سیکولر نظام اقتدار کو ہم جائز (Ligitemete) نہیں سمجھتے اور اس کی قانونی اور دستوری جکڑ بندیوں سے اپنی جدوجہد کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اسلامی نظام اقتدار کے قیام کے لیے وہ تمام طریقے اختیار کرنے کا حق رکھتے ہیں جن کا شریعت مطہرہ ہمیں اجازت دیتی ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام اسلامی نظام اقتدار کے قیام کی جدوجہد کا آخری مرحلہ ہے یہ بات دورِ حاضر میں غزہ، صومالیہ، یمن، افغانستان اور چیچنیا میں جاری اسلامی تحریکوں نے ثابت کردی ہے۔

تبصرہ کتب　　ڈاکٹر محمد امین

دینی جرائد پر مختصر تبصرہ وتعارف

سہ ماہی ایقاظ لاہور

مدیر حامد کمال الدین صاحب (جماعۃ الدعوۃ کے امیر حافظ سعید صاحب کے بھائی)۔ بنیادی پالیسی: توحید کی سلفی تعبیر (ابن تیمیہ و محمد بن عبدالوہاب والی) کا فروغ۔ جدید دینی تحریکوں (جیسے اخوان المسلمون، جماعت اسلامی......وغیرہ) کی حمایت خصوصاً سید قطب کی۔ مغربی فکر وتہذیب کی مخالفت، جہاد کی حمایت اور تشیع کا رد۔ اسلوب: تحریر میں انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال۔ جدید عربی مضامین سے استفادہ۔ شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء ۲۹۶ صفحات، قیمت ۱۰۰ روپے زر تعاون ۳۰۰ روپے سالانہ۔

رابطے کا پتہ: 336-D سبزہ زار، سکیم موڑ، لاہور 0323-4031624

سہ ماہی 'جی' لاہور

مدیر محمد علی جوہر (رحیم یار خان میں سکول پرنسپل)، اسلوب فلسفیانہ وثقیل۔ شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ء کے مضامین: حرف مراد (اداریہ)، اعجاز القرآن (علامہ خطابیؒ سے استفادہ)۔ فلسطین کا ایک ریاستی حل، فتنۂ انکار حدیث از مولانا ایوب دہلویؒ (انکارِ حدیث پر عمدہ تفصیلی کلام)، 'اسباق' کے عنوان سے احمد جاوید صاحب کا لیکچر (یونانی فلاسفہ کی خوب تعریف)، ن م راشد کبیدہ تہذیب کا شاعر از مدیر۔

صفحات ۱۲۶ قیمت ۱۲۰ روپے۔

برائے رابطہ shahidmahmmod@baatdiscourse.com

ہفت روزہ ’ایشیا‘ لاہور (بنگلہ دیش نمبر)

جماعت اسلامی کے ترجمان ہفت روزہ ’ایشیاء‘ کے شمارہ ۱۹ تا ۲۵ ستمبر ۲۰۱۳ء (جلد ۶۲، شمارہ ۳۹) کا یہ خصوصی شمارہ بنگلہ دیش کے حوالے سے ہے۔ اس کے مدیر خصوصی معروف مصنف و دانشور پروفیسر سلیم منصور خالد ہیں۔ اگرچہ پیغامات و تاثرات، پس منظر اور افکار و خیالات کے زیر عنوان تحریریں بھی ہیں لیکن زیادہ تر مضامین قومی روزناموں میں چھپنے والی تحریروں پر مشتمل ہیں جن میں بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی پر ہونے والے ظلم وستم کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مدیر نے اسے بلاشبہ ’انصاف اور انسانیت کے قتل‘ کا صحیح عنوان دیا ہے۔ صفحات ۲۳۷، قیمت ۲۵۰ روپے۔

ملنے کا پتہ: ہفت روزہ ایشیاء، فرسٹ فلور ۸۔۱/۹ نزد حمید سنٹر، رائل پارک، لاہور

ماہنامہ ’حکمت بالغہ‘ جھنگ (خصوصی اشاعت الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ)

ایڈیٹر انجینئر مختار فاروقی صاحب۔ یہ جریدہ قرآن اکیڈیمی جھنگ کا ترجمان ہے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علومِ قرآنی کے فروغ کا علم بردار ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے اس طرح کی قرآن اکیڈیمیاں ملک کے کئی بڑے شہروں میں قائم کی تھیں، جھنگ کی اکیڈیمی بھی انہی میں سے ایک ہے۔ یہ جریدہ کئی اہم خصوصی نمبر شائع کر چکا ہے۔ شمارہ اکتوبر ’الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ‘ کے عنوان سے خصوصی اشاعت ہے جو سیرت کے ایک خاص گوشے یعنی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے سے متعلق ہے۔ اس میں کئی اہم اور ایمان پرور مضامین ہیں۔ صفحات ۱۶۰، قیمت ۱۳۵ روپے۔ سالانہ زراعانت ۴۰۰ روپے۔

ملنے کا پتہ: قرآن اکیڈیمی، لالہ زار کالونی، ٹوبہ روڈ، جھنگ صدر فون 047-7630861

ماہنامہ ’شریعت‘ (افغانستان)

ماہنامہ شریعت چند ماہ سے ہمیں ملنا شروع ہوا ہے۔ اس کی پیشانی پہ لکھا ہوا ہے ’امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد ترجمان‘ اردو ماہنامہ اور یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ ’ماہنامہ شریعت امارت اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے جو امارت اسلامیہ کے میڈیا

ونگ اور ثقافتی کمشن کے زیر نگرانی شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری کشمکش، معاملات و واقعات اور مظلوم مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے بھیانک مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔' اس رسالے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے طالبان افغانستان کا موقف براہ راست ان کے اپنے الفاظ میں قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔ شمارہ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ (ستمبر اکتوبر ۲۰۱۳ء) بڑے سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں اہم مضامین ہیں۔ سالانہ زر تعاون ۳۵۰ روپے ہے۔

مقامات اشاعت درج نہیں اور رابطے کے لیے صرف shariatmegazine@yahoo.com کا ای میل ایڈریس دیا گیا ہے۔

تالیفات ڈاکٹر محمد امین

تعلیم و تربیت	صفحات	قیمت
۱۔ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل۔ چند نظریاتی مباحث (دوسرا ایڈیشن)	۵۴۰	۲۵۰ روپے
اسلامی تناظر میں تعلیمی نظام کی تشکیل نو۔ ماڈل اسلامی سکول، یونیورسٹی اور نظام تعلیم کا عملی خاکہ ثنویت کے خاتمے کا طریق کار، نفاذ اسلام اور مسلم نشأۃ ثانیہ میں تعلیم کا کردار، وغیرہ		
۲۔ ہمارا دینی نظام تعلیم ☆	۳۱۴	۳۵۰
دینی تعلیم کے چار وفاقوں کے ذمہ دار علماء سے طویل مشاورت اور مباحثے کے نتیجے میں دینی مدارس کے لیے اصلاحی تجاویز اور متبادل نصاب		
۳۔ تعلیمی ادارے اور کردار سازی	۱۵۳	۸۰
اس سوال کا جواب کہ جدید تعلیمی اداروں میں اسلامی نقطہ نظر سے بچے کی تربیت اور کردار سازی کیسے کی جا سکتی ہے؟		
۴۔ جدید اسلامی نصاب تعلیم ☆	۲۳۱	۲۶۰
پہلی سے بارھویں جماعت تک، سارے مضامین کے لیے، دینی اور عصری علوم کے امتزاج پر مبنی		

۵۔ **پاکستان میں تعلیم کی اسلامائزیشن** ☆	۴۲	۴۷
۶۔ **مطالعۂ قرآن وحدیث** (برائے جماعت اوّل تا پنجم)	۲۴۰	۱۹۰
ہر جماعت کے لیے الگ۔ مروجہ دینیات سے الگ اور زائد مطالعہ کے لیے		
۷۔ **بروشرز**		
۱۔ پرائیویٹ سکولوں کے نام ایک اہم پیغام	۱۲	
۲۔ طلبہ کی اسلامی تربیت۔ کیوں اور کیسے؟	۱۶	
۳۔ انگلش میڈیم۔ فائدے اور نقصانات	۱۲	۵۰
۴۔ دینی مدارس کے نام۔ ایک اہم پیغام	۱۲	
۵۔ والدین کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	
۶۔ نوجوانوں کے نام ایک اہم پیغام	زیر طبع	

تربیت وتزکیہ

۱۔ **اسلام اور تزکیۂ نفس۔ مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ**	۹۰۴	۶۰۰
تعمیر سیرت کا اسلامی منہج قرآن وسنت کی روشنی میں۔ مسلم ادارے اور تجربات۔ مغربی فکر وعمل سے ان کا موازنہ۔ ایک علمی، فکری اور تحقیقی تجزیہ		
۲۔ **ترکِ رذائل**	۲۹۲	۱۹۰
بُرے اخلاق، ان کے اسباب، نقصانات اور ان سے بچنے کے عملی طریقے		
۳۔ **حقیقتِ تزکیۂ نفس** (سوالاً جواباً) ☆	۵۵	۵۲
مختصر، سادہ، عام فہم اور غیر اختلافی انداز میں اہم مسئلے کی وضاحت		
۴۔ **حقیقتِ تصوف**	۸	۵

قرآن وسنت

۱۔ **سورہ یٰسین**	زیر طبع	
دو رنگوں میں، بیک وقت تین تراجم (لفظی، بامحاورہ اور تفسیری) مع قرآنی عربی الفاظ کے اردو استعمالات کی نشاندہی کے		
۲۔ **Riyadh-us-Saliheen (2 Vols)**	۱۴۵۴	
۱,۰۰۰		

حدیث اور تزکیۂ نفس کی معروف کتاب ریاض الصالحین
اور اس کے حواشی کا انگریزی ترجمہ

۳۔ Noble Quran, Part 1☆ ۷۰ ۶۰
قرآن حکیم کے پہلے پارے کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

۴۔ Noble Quran, Part 2-9☆ ۸۳۸ ۹۳۸
پارہ ۲ تا ۹ کا انگریزی میں لفظی ولغوی ترجمہ

فقہ وقانون

۱۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون☆ ۲۷۳ ۳۰۰

۲۔ Islamization of Laws in Pakistan ۲۵۸ ۲۰۰
پاکستان میں مروجہ قوانین کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی
جدوجہد کا علمی تجزیہ، ضیاء الحق دور کا خصوصی مطالعہ

۳۔ السلطة التشريعية۔ دراسة مقارنة (عربی)☆ ۱۶۹ ۱۹۵
اسلام میں اجتہاد اور مغرب میں قانون سازی کے عمل کا تقابلی مطالعہ

مسلم امہ

۱۔ مسلم نشأة ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل ۴۰۷ ۲۵۰
اس اہم سوال کا جواب کہ مسلمان کس طرح زوال کے موجودہ گرداب سے نکل سکتے ہیں
اور کس طرح دوبارہ غلبہ وعروج سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔ مکمل لائحہ عمل

۲۔ اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش۔ ایک تجزیہ، ایک مطالعہ (دوسرا ایڈیشن) زیر طبع

۳۔ جہاد اور دہشت گردی۔ عصری تطبیقات ۱۳۰ ۱۰۰

۴۔ مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ ۱۲ ۸

سیاسیاتِ اسلام

۱۔ اسلام اور پاکستان☆ ۱۲۷ ۱۵۵
پاکستان میں نفاذ اسلام کا صحیح طریق کار

۲۔ اسلامی انقلاب۔ مفہوم، تقاضے اور حکمت عملی☆ ۱۳۳ ۱۴۰

۳۔ سیاسی جماعتوں کی شرعی حیثیت☆ ۴۵ ۵۰

۴۔ اسلام اور جدید سیاسی مسائل زیر طبع

اسلام (متفرق)

۱۔ **رزم حق و باطل**☆

ان مسلم داعیوں اور حریت پسندوں کا تذکرہ

جنہیں کج فہم مسلم حکمرانوں سے کشمکش کرنا پڑی ۱۱۸ ۱۳۰

۲۔ **مقالاتِ امین (دو جلدیں)**☆ ۱۲۵۸

۱۳۵۰

ان مضامین ومقالات کا مجموعہ جو مختلف اوقات میں جرائد واخبارات میں چھپتے رہے

۳۔ **عصر حاضر میں تعبیر دین** زیر طبع

۴۔ **ایک نئی دینی تحریک کی ضرورت** زیر طبع

☆ فوٹو کاپی مہیا کی جاسکتی ہے۔

- خرید کتب کے لیے تحریک اصلاح تعلیم کے دفتر سے رابطہ کیجیے،فون نمبر 0300-4609522
- مندرجہ بالا قیمتوں میں ڈسکاؤنٹ شامل ہے ڈاک خرچ شامل نہیں جو موجودہ قیمت کا ۱۵% ہوگا۔

طریق ادائی: منی آرڈر یا پے آرڈر بنام تحریک اصلاح تعلیم ٹرسٹ،71-A فیصل ٹاؤن، لاہور۔

talha@shirkatpress.com

Attached please find alburhan for September 2013 along with its fehrist. please email title for approval.